جلد 23 شمارہ 5 ماہ مئی 2021ء رمضان/شوال 1442ھ

واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا

صداقت

اللہ

محبت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض ومقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف وکرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب وعرفان اور اس کی رضا ولقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد وبغض، تجسّس وغیبت اور ہوا وہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ما سواء اللہ، تسلیم و رضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لا حاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل وعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح وخدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ

بانی مجلّہ فلاح آدمیت

نگران و سرپرست اعلیٰ: جناب **محمد یعقوب توحیدی**
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
0344-9000042

مجلس ادارت

مدیر: **احمد رضا خان**
0321-6400942

معاون مدیر: **شہزاد محمود بخاری**
0301-7430525

نائب مدیر: **سید رحمت اللہ شاہ**
0333-4552212

خالد مسعود، وحید احمد پیر خان
حافظ محمد یٰسین، عبدالقیوم ہاشمی
پروفیسر محمد شبیر شاہد ہوتوانی
ماجد محمود توحیدی

ترسیل: **فھد محمود ، محمد ریاض**

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
ای میل: info@tauheediyah.com Ph: 055-3411030
Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے ✿✿✿ سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

زمانہ حاضر کے تقاضے اور سلسلہ توحیدیہ کی تعلیم

(خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

برادران سلسلہ! علم تصوف کے طالب علم عام طور پر یہ شکایت کرتے ہیں کہ ان کو اس قدر زیادہ پڑھنے اور کرنے کو بتایا جاتا ہے کہ جس کے لیے وقت ہی نہیں ملتا۔ پیٹ بھرنے کے لیے دنیوی کام کریں یا آخرت سنوارنے کے لیے اللہ۔ میں نے جب دائرہ تصوف میں قدم رکھا اور سلوک شروع کیا تو میں نویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ حضرت صاحبؒ نے مجھے پانچ ہزار مرتبہ پاس انفاس اور لاتناہی نفی اثبات کرنے کو بتایا۔ اس کے علاوہ تہجد، دوسرے نوافل اور درود شریف کا وِرد علیحدہ تھا۔ میں رات بھر جاگتا تھا مگر اوراد پورے نہ ہو سکتے تھے تو مجبوراً دن میں پورا کرتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دو مرتبہ امتحان میں فیل ہوا۔ ملازمت کے دوران اس سے بھی زیادہ دشواری پیش آئی۔ بہر حال سلوک طے کرنے تک مجھ کو یہ تجربہ ہو گیا کہ خدا سے تعلق زبان سے ذکر کرنے کی کثرت پر اس قدر منحصر نہیں ہے جس قدر دل سے اس کو ہر وقت یاد رکھنے اور اخلاق کا تزکیہ کرنے پر منحصر ہے چنانچہ جب میں نے سلسلہ توحیدیہ کی بنیاد ڈالی تو ذکر، فکر اور تزکیہ اخلاق کیلئے مجاہدے کے تمام طریقوں میں ایسی تبدیلیاں کر دیں جو زمانہ حاضر کے مزاج اور آج کل کے انگریزی تعلیم و تربیت یافتہ لوگوں کے لیے موزوں اور آسان ترین ہیں اور ہر شخص جو طالب راہ حق ہو نہایت آسانی سے دنیا کے سارے کام کرتے ہوئے ان پر عمل کر کے فائز المرام ہو سکتا ہے۔

ا...... پہلے سلسلوں میں اوراد و وظائف ہزاروں بار نہیں بلکہ لاکھوں بار پڑھنے کو بتائے جاتے تھے چنانچہ بعض بزرگ سورہ اخلاص سوا لاکھ مرتبہ بیس یا چالیس دن میں ختم کرایا کرتے تھے۔ کم از کم ایک ہزار مرتبہ درود شریف روزانہ ہر نماز کے بعد اکتالیس مرتبہ الحمد شریف، گیارہ سو مرتبہ یا مغنی،

گیارہ مرتبہ سورہ مزمل شریف' اکتالیس مرتبہ سورہ یاسین شریف اوراس کے علاوہ بے شمار نوافل۔ آپ خود سوچ سکتے ہیں کہ جو شخص اتنا پڑھے اور پھر کھانا نہ کھائے متواتر روزے رکھے اس کی صحت کس طرح بحال رہ سکتی تھی۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ نعوذ باللہ یہ باتیں فضول تھیں مگر یہ ضرور کہتا ہوں کہ آج کل جب کہ حصول معاش کے لیے دن رات میں کم از کم بارہ گھنٹے کام کرنا پڑتا ہے' پرانے زمانے کے اوراد و وظائف پڑھنا کسی طرح ممکن ہی نہیں۔ اس لیے میں نے صرف یہ طریقہ بتایا ہے کہ چوبیس گھنٹے میں جب بھی تم کوئی دماغی کام نہ کر رہے ہو اور خالی الذہن ہو ہر سانس سے اللہ اللہ کرتے رہو اور اللہ کی یاد سے غفلت نہ برتو۔ یہی طریقہ قرآن پاک میں بھی بتایا گیا ہے۔ دوسری چیز نفی اثبات کا ذکر ہے جس کے لیے میں اس بات پر زور دیتا ہوں کہ کسی حالت میں بھی پندرہ منٹ سے زیادہ نہ کیا جائے۔ اب آپ بتائیں کہ اس سے زیادہ اللہ کو یاد کرنے اور اس سے اپنی محبت کے رشتے استوار کرنے کا اور کوئی آسان طریقہ ممکن ہے؟

۲...... پہلے زمانے کے بزرگ اپنے مریدوں کو نفس کشی کے لیے بھوکا رہنا' برسوں پیدل سفر کرنا' بھیک مانگنا' پاخانہ صاف کرنا اور محلوں میں جھاڑو دینا بتاتے تھے۔ آج کے انگریزی تعلیم یافتہ حضرات کو یہ کچھ بتایا جائے تو کون ہے جو کرنے کو تیار ہوگا۔ اس کے بجائے میں نے صرف یہ بتایا ہے کہ غصہ اور نفرت کو نفی کردو اور اس کی جگہ عالمگیر محبت اور ہر کام میں حق پر عمل کو اپنے اوپر فرض کرلو۔ اس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ تعمیر ملت اور طریقت توحیدیہ میں پڑھ لیجیے۔

۳...... دوسرے سلسلوں میں انکساری پیدا کرنے کے لیے یہ بتایا جاتا تھا کہ اپنے آپ کو تمام مخلوق سے ذلیل و حقیر سمجھو۔ ظاہر ہے کہ اس سے انسان کی خودی اور خودداری بالکل ختم ہو جاتی ہے اور اس کی وہ تمام امنگیں مر جاتی ہیں جو انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے ایک معاشرے اور قوم کو زندہ' باعزت' باغیرت اور متحرک باالعمل بنانے کے لیے قدرت کی طرف سے فطرتاً پیدا کی گئی ہیں ہمارے سلسلہ میں یہ تعلیم نہیں دی جاتی بلکہ یہ سکھایا جاتا ہے کہ اپنی کسی چیز پر غرور نہ کرو کیوں کہ اس سے آئندہ کے لیے طلب ختم ہو جاتی ہے۔ بلکہ ہم یہ بتاتے ہیں کہ تم نہ اپنے آپ کو

ذلیل وحقیر سمجھو نہ کسی دوسرے کو۔ہم سب خدا کی مصنوعات ہیں۔خدا کی کسی صنعت سے نفرت کرنا یا اس کو ذلیل سمجھنا خود خدا کی توہین ہے۔ہم دراصل یہ کہتے ہیں کہ تم اس قصہ میں ہی نہ پڑو کہ کون ذلیل ہے اور کون بزرگ و برتر ہے اور اگر تم کو ایسا کرنا ہی پڑے تو قرآن کی اس آیت کی کسوٹی پر پرکھو کہ "جو شخص جس قدر زیادہ متقی ہے اتنا ہی وہ اللہ کے نزدیک شریف اور بزرگ ہے۔"

۴.....دوسرے کئی سلسلوں میں پیروں کی اس قدر عزت کی جاتی ہے جو عبادت کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔مریدوں سے نہ صرف زندہ پیروں بلکہ وفات یافتہ بزرگوں کی قبروں کو سجدے کرائے جاتے ہیں۔ان کو مافوق الفطرت خیال کیا جاتا ہے۔ان سے منتیں مانگی جاتی ہیں اور کیا کچھ نہیں کیا جاتا۔ہم قرآن پاک اور احادیث وسنت کی روشنی میں اس بات کو شرک اکبر جانتے ہیں۔تعمیر ملت میں بیسیوں آیتیں اس بات کے ثبوت میں میں نے تحریر کر دی ہیں جس کو ہر وقت پیش نظر رکھتے ہوئے توحید باری تعالیٰ کے عقیدے پر پورے استحکام سے ڈٹے رہیے۔تاہم میں آپ کو یہ ہدایت کرتا ہوں کہ جو لوگ قبر پرستی وغیرہ کرتے ہیں ان سے الجھنے یا بحث کرنے کی آپ کو ہرگز اجازت نہیں ہے۔ان کا دین ان کے لیے ہے اور تمہارا دین تمہارے لیے۔قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرما دیا کہ یہ لوگ جن باتوں پر جھگڑتے ہیں قیامت کے دن ان کو معلوم ہو جائے گا کہ سچا کون تھا۔دوسری بات یہ کہ جھگڑنے اور بحث کرنے سے سوائے وقت ضائع کرنے اور دلوں میں بدمزگی پیدا کرنے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔بحث سے کوئی شخص بھی اپنا عقیدہ نہیں بدلا کرتا۔حتیٰ کہ کافر بھی باوجود عقلاً مان لینے کے بت پرستی ترک نہیں کرتے۔ہمارے سلسلہ میں پیر کی بابت صرف تین باتیں بتائیں جاتی ہیں:

۱۔عقیدت

۲۔ادب

۳۔فرمانبرداری

عقیدت کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے مرشد کو سچا' خدا رسیدہ اور رشد و ہدایت کا اہل سمجھتے ہو۔ ادب عقیدت کا ایک لازمی جزو اور انسانی شرافت کی ایک ضروری نشانی ہے۔ "با ادب با نصیب بے ادب بے نصیب" کا مقولہ غلط نہیں ہے۔ دنیاوی محفلوں میں بھی بے ادب انسان دوسرے لوگوں کے دل میں اپنے متعلق کوئی اچھی رائے پیدا نہیں کر سکتا تو بزرگوں کی مجلس میں وہ لوگوں کے دلوں میں اپنا کوئی اچھا مقام کیسے پیدا کر سکتا ہے۔ فرمانبرداری اس لیے ضروری ہے کہ جس راستہ پر تم چل رہے ہو تم اس سے قطعاً ناواقف ہو۔ لیکن تمہارا مرشد جو اس راستہ کو طے کر چکا ہے اس کے تمام پیچ و خم سے خوب واقف ہے۔ اگر تم اس کے کہنے کے مطابق اندھوں کی طرح عمل نہ کرو گے تو یقیناً کسی کھڈ میں گر کر تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔ ہمارے حلقہ میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں جن کو خدا نے نور بصیرت عطا فرمایا ہے وہ دیکھ سکتے ہیں۔

۵...... ہمارے سلسلہ میں رہبانیت اور دنیا سے نفرت و حقارت کی تعلیم مطلق نہیں دی جاتی کیوں کہ یہ قرآن پاک کی تعلیم اور حضور ﷺ کی سنت کے بالکل خلاف ہے بلکہ روپیہ کمانے اور دنیوی قدر و منزلت اور عزت و مرتبہ حاصل کرنے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ لیکن اس طرح جس سے غرور بالکل پیدا نہیں ہو سکتا اور یہ جو کچھ بھی کمایا اور پیدا کیا جاتا ہے وہ سب قوم' ملک اور خلق خدا کی خدمت کے لیے ہوتا ہے۔

۶...... دوسرے سلسلوں کی معراج اور آخری منزل کشف و کرامات کا حصول ہے لیکن ہمارے سلسلے میں ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ ہمارے سلسلہ کا آخری مقصد اللہ کا قرب' عرفان اور لقاء کا حصول ہے۔

۷...... ہمارے سلسلہ میں سستی اور بے کاری سے بچنے کے لیے یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ ہر وقت کسی نہ کسی عمل میں مصروف رہو اور کچھ نہ کر سکو تو تعلیم میں ترقی کرو اور ایم اے تک امتحانات پاس کرتے چلے جاؤ۔ یا کوئی ٹیکنیکل کام اور ہنر سیکھو۔ چنانچہ اس وقت ہمارے بھائیوں میں کم از کم ڈیڑھ سو آدمی ایسے ہیں' جنھوں نے بی اے' ایم اے اور ایل ایل بی وغیرہ کے امتحانات

پاس کیے ہیں اور آج ہزاروں روپیہ مہینہ کما رہے ہیں۔

۸...... ہمارے سلسلہ میں جماعتی تنظیم اور اجتماعی زندگی باقی سب جماعتوں سے کہیں زیادہ محکم اور مستحکم ہے۔ ہمارے ہاں وہ دقیانوسی طریقہ ختم کر دیا گیا ہے کہ ایک شیخ لاتعداد خلیفہ بنا کر اپنے حلقہ کو وسیع کر لے اس طرح اس پیر کی جماعت لاتعداد ٹکڑیوں میں بٹ جاتی ہے اور چونکہ ان خلفاء کے ماحول، اخلاق، ذہنیت اور علمیت وغیرہ میں بہت زیادہ فرق ہوتا ہے اس لیے شیخ سلسلہ کی حقیقی تعلیم بجنسہٖ کسی ٹکڑی میں بھی باقی نہیں رہتی اور ان ٹکڑیوں کا باہمی ربط ختم ہو کر جماعت کی روح فنا ہو جاتی ہے۔

اب میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ کوئی شخص خواہ کتنی اچھی جماعت بنائے اور وہ خواہ کتنا ہی عالم و فاضل اور خدا رسیدہ ہو ہمیشہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ میری بھی صحت اب جواب دے رہی ہے۔ معلوم نہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے کل حاضر ہونا پڑ جائے یا کچھ اور برس لگ جائیں۔ اس لیے میں آپ سب کو ہدایت کرتا ہوں کہ اگر آپ کی رائے میں ہماری جماعت اور ہمارا حلقہ انسانی اصلاح کے لیے ایک مثالی حلقہ ہے اور معاشرے کی اصلاح میں کوئی خاص کردار ادا کر سکتا ہے تو آپ اب میری بجائے جماعت سے محبت کرنا اور جماعت کو زیادہ سے زیادہ عزیز رکھنا سیکھیں۔ اس کے لیے آپس میں بے انتہا محبت اور زیادہ سے زیادہ ایثار کی ضرورت ہو گی۔ اگر آپ نے ان دو باتوں پر عمل کیا تو ان شاء اللہ آپ کا حلقہ دن دُگنی اور رات چوگنی ترقی کرے گا اور عام مسلمانوں کے اخلاق کو سدھارنے میں زیادہ سے زیادہ مدد دے گا۔

محبانِ عزیز! آپ کو معلوم ہے کہ میں گزشتہ ماہ نومبر سے ہائی بلڈ پریشر اور دیگر بے شمار عوارض کی وجہ سے مسلسل علیل چلا آ رہا ہوں اور اس طویل علالت کے باعث نقاہت اتنی بڑھ گئی ہے کہ ذرا سا بھی پڑھنے، لکھنے یا بولنے چالنے سے دماغ چکرانے لگتا ہے اور سانس پھول جاتا ہے۔ لہٰذا آج کی صحبت میں مجھے آپ سے صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ خلوص و محبت کے ساتھ حلقہ کی تعلیم پر

پوری پابندی سے عمل کرتے ہوئے پہلے کی نسبت اور زیادہ شوق اور جوش سے عمل کرو، عمل کرو اور عمل کرتے رہو۔ اپنی اور دوسرے مسلمانوں کی اصلاح کرو۔ دنیوی ترقی کے لیے نئی نئی راہیں نکالو اور ان پر عمل کرو۔ خلق خدا کی خدمت کرو۔ سب کے ساتھ محبت سے پیش آؤ۔ کتنی ہی تکلیفیں اور مصیبتیں آن پڑیں مایوس اور اداس مت ہو۔ ہمت نہ ہارو، ہمیشہ خوش رہا کرو۔ دل میں اللہ کو بسائے رکھو اور ہاتھ پاؤں، آنکھوں، کانوں اور زبان کو خدمت خلق میں لگائے رکھو۔ یہی دائمی مسرت اور حقیقی زندگی کا راز ہے۔ مرتے دم تک کام کرتے رہو اور خدا کی یاد میں مر جاؤ۔ تمہیں کیا خبر یہ کتنا بڑا کام ہے اور مرنے کے بعد اس کا کیا انعام ملے گا۔

اب میں آپ سے صرف ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں کہ <u>آج تک آپ کو جو کچھ بتایا جا چکا ہے وہ سب قرآن اور احادیث رسول کریم ﷺ سے ہے۔ میری اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر آپ کا ایمان کامل ہے تو آپ ان باتوں کو افسانہ یا کہانی نہ سمجھیں گے بلکہ ایک ٹھوس حقیقت جان کر ان پر عمل کریں گے بشرطیکہ آپ اپنی بہبودی اور بہتری کے دل سے طالب ہوں اور دین و دنیا کی نعمتوں سے اپنی جھولیاں بھرنا چاہتے ہوں۔ اگر آپ ان پر ایمان کامل رکھتے ہوئے بھی عمل نہ کریں تو پھر آپ سے زیادہ بد قسمت اور کون ہو سکتا ہے۔</u>

مومن کی ایک جھلک

(قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور یوم آخرت پر ایمان انسان کے خیالات اور کردار میں ایک حسین انقلاب برپا کر دیتا ہے۔ مومن اس حقیقت کو دل سے تسلیم کر لیتا ہے کہ اللہ ساری کائنات کا خالق، مالک اور حکمران ہے۔ ہر جاندار اور ہر کام کے انجام کی ڈوری اسی کے ہاتھ میں ہے۔ ہر واقعہ اور ہر حادثہ اس کے اِذن سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ بھلائی کرنا چاہے تو اس بھلائی کو کوئی روک نہیں سکتا اور اگر وہ کسی کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کی اپنی ذات کے سوا کوئی دوسرا اسے ہٹا نہیں سکتا۔ وہ جس کا رزق چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہے روزی تنگ کر دیتا ہے۔ سورج، چاند، ستارے اور کہکشائیں سب اسی کی زیرِ فرمان گردش کر رہے ہیں۔ وہ چیونٹی کے چلنے کی آواز بھی سن لیتا ہے اور ہمارے سینوں میں پیدا ہونے والے وسوسوں کو جانتا ہے۔ ہم جہاں کہیں بھی ہوں وہ ہر وقت ہمارے ساتھ ہوتا ہے۔ زندگی، صحت قوت، دولت، منصب اور عزت سب اللہ کے ہاتھ میں ہیں وہ اپنی مخلوق پر ہر طرح کی قدرت رکھتا ہے۔ جس کو چاہے پیدا کرے، جس کو چاہے مارے، جس کو چاہے بنائے، جس کو چاہے بگاڑے، جس کو چاہے عزت دے، جسے چاہے ذلت دے۔ یہ قدرت مخلوق میں سے کسی کو بھی حاصل نہیں ہے۔ ان عقائد کی وجہ سے اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے کی برکت سے مومن کو اطمینان قلب کی دولت نصیب ہو جاتی ہے۔ اور وہ خوف وحزن کی کیفیات سے نجات حاصل کر لیتا ہے کیونکہ اسے یقین کامل ہوتا ہے کہ ہماری کوشش اور محنت کے مطلوبہ نتائج اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتے جب تک خالق کائنات کی منظوری شامل حال نہ ہو۔ جس طرح بس یا ہوائی جہاز کے مسافر اپنے جیسے ایک انسان ڈرائیور اور پائلٹ کی عقل اور مہارت پر بھروسہ کر کے راستے

کی ٹریفک اور دشواریوں سے بے نیاز ہوجاتے اور بے فکری سے سفر کرتے ہیں اسی طرح مومن پوری کائنات کے نظام کو چلانے والے علیم وحکیم حکمران پر توکل کرکے تسلیم ورضا کا شیوہ اختیار کرلیتا اور زندگی کے معاملات اور رزق کی کمی بیشی کے تفکرات سے آزاد ہوجاتا ہے۔

چھوٹے بچے اپنے باپ کے بھروسے پر ہر غم سے آزاد بے فکری کی زندگی گزارتے ہیں حالانکہ وہ محدود ذرائع کا مالک اور تھوڑا سا پیار کرنے والا ایک فانی انسان ہوتا ہے تو ستر ماؤں سے بھی زیادہ محبت کرنے والے، ہر چیز کے مالک، حیّ وقیّوم اور رحمٰن ورحیم اللہ پر ایمان رکھنے والا مومن کس طرح غم روزگار میں مبتلا رہ سکتا ہے۔ مومن دنیا اور آخرت کی ہر بہتری کے حصول کے لیے حتی المقدور سعی اور جدوجہد کرتا ہے لیکن اپنی کوشش اور ذرائع پر بھروسہ ہرگز نہیں کرتا اور حسب دل خواہ نتائج کے لیے اللہ سے مدد طلب کرتا ہے وہ دنیوی ترقی، کاروبار کی وسعت، فراخی رزق، نعمتوں کی فراوانی اور اپنی اولاد کی کامرانی کو اپنی ذہانت، محنت یا اسباب کی موافقت سے ہرگز منسوب نہیں کرتا بلکہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کا نتیجہ گردانتا ہے اور ان پر فخر وتکبر ہرگز نہیں کرتا۔ اگر اس پر کوئی مصیبت آن پڑے یا رزق میں تنگی آجائے تو اسے بھی اپنے اللہ کی طرف سے سمجھتے ہوئے خوشی سے قبول کرلیتا ہے۔

وہ امیری غریبی اور دکھ سکھ دونوں کو اللہ کی طرف سے آزمائش جانتے ہوئے نعمتوں پر اللہ کا شکر بجالانے والا اور مصائب کو خوشی سے برداشت کرنے والا بن جاتا ہے۔ وہ ہر آن اللہ کے فضل اور اس کی رضا کا متلاشی رہتا ہے اور خود بھی ہر حال میں اپنے ربّ سے راضی رہتا ہے۔ وہ دنیا میں بڑا بن کر نہیں بلکہ اللہ کا عاجز بندہ بن کر رہنا چاہتا ہے اس لیے نہ تو وہ کسی کا حق غصب کرتا ہے نہ ہی زور وظلم یا مکر وجبر سے دوسرے انسانوں پر فوقیت اور حکمرانی کی خواہش رکھتا ہے۔ وہ توحید الوہیت کے ساتھ ساتھ وحدت آدمیت کا بھی علمبردار ہوتا ہے وہ اپنی فکری صلاحیتوں روحانی اہلیتوں اور مادی وسائل کو اللہ کی مخلوق کی بھلائی کے لیے وقف کردیتا ہے۔ اللہ ربّ العالمین پر ایمان کی بدولت مومن کو پوری کائنات میں کوئی بھی چیز بے گانی اور اجنبی محسوس

نہیں ہوتی کیونکہ وہ سب کو اپنے حقیقی مالک اور محبوب آقا کی پیاری رعیت سمجھتا ہے اور اس بات پر پختہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ کی مخلوق کو نفع پہنچانے ہی سے اس کی رضا حاصل کی جا سکتی ہے۔

اس طرح اس کی محبت، ہمدردی اور خدمت مخصوص دائروں کی پابند نہیں رہتی اور وہ عالمگیر محبت کا علمبردار بن کر اللہ کی ساری مخلوق کا خیر خواہ بن جاتا ہے۔ وہ اللہ کے سوا نہ کسی سے ڈرتا ہے نہ ہی کسی سے مدد کی توقع رکھتا ہے اس لیے اس کی ذہنیت کبھی غلامانہ نہیں ہوتی اور وہ تلواروں کی چھاؤں میں بھی کلمۂ حق بلند کرنے سے گریز نہیں کرتا۔ وہ متواضع اور منکسر المزاج ہونے کے ساتھ ساتھ خوددار، بلند حوصلہ اور جرات و بہادری کا پیکر بھی ہوتا ہے۔ وہ اس بات پر پختہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے وہ اسباب کا محتاج نہیں بلکہ خود مسبب الاسباب ہے۔ اللہ کی رحمت اس کے غضب پر ہمیشہ غالب رہتی ہے اور ہماری بڑی سے بڑی مشکل کا حل کرنا اللہ کے لیے بہت ہی آسان ہے اس لئے مومن بدترین حالات میں بھی امید کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیتا، وہ رجائی ہوتا ہے اور مایوسی کو کبھی نزدیک نہیں آنے دیتا۔ مومن کے دل میں اللہ کی محبت اور کثرت ذکر کی برکت سے ایک ایسی حرارت اور برقی قوت پیدا ہو جاتی ہے جس کی لذت میں وہ بڑی سے بڑی مصیبت کو ہنستے مسکراتے برداشت کر لیتا ہے۔ مومن کا مرنا اور جینا اللہ کے لیے ہو جاتا ہے وہ اللہ کی راہ میں مال و دولت خرچ کرتے وقت یہ نہیں سوچتا کہ کل کھانے کو کہاں سے آئے گا۔ اللہ کی راہ میں اگر اسے اپنی جان بھی دینی پڑے تو اس طرح خوشی سے دے ڈالتا ہے گویا پردیس سے اپنے وطن جا رہا ہو، کیونکہ اسے یقین کامل ہوتا ہے کہ حقیقی اور دائمی زندگی آخرت کی ہے اور دنیا کی زندگی اس کے مقابلے میں عارضی اور گھٹیا ہے اس لیے وہ اپنی خواہشات کو اللہ کے احکام کے تابع کر دیتا ہے اور دنیا اور اس کی کسی چیز کو اپنے دل میں جگہ نہیں دیتا۔ وہ سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت وہ لذت اور کشش ہے کہ مومن کی نگاہوں میں اس کے حسن کے سوا اور کچھ جچتا ہی نہیں۔ مومن کی زندگی کا مقصود ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی محبت کو کمال تک پہنچائے۔ ایمان کی ابتداء اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود

محبوب اور مقصود ومطلوب تسلیم کرنے سے ہوتی ہے۔ اللہ والے فقیروں کی صحبت کے اثر سے جب مومن کے دل میں محبت کا بیج پھوٹتا ہے تو دل ایسی انوکھی لذت سے آشنا ہوتا ہے کہ اس کی نگاہوں میں دوسری ہر لذت ہیچ ہو جاتی ہے۔ اس کی بے نیازی کا یہ عالم ہو جاتا ہے کہ اللہ کے قرب و دیدار کی خواہش کے سوا اور کوئی خواہش اس کے دل میں باقی نہیں رہتی۔ وہ اللہ کی محبت میں اس قدر مگن ہو جاتا ہے کہ فرشتوں کے تقدس اور حور و قصور کے حسن پر نگاہ التفات ڈالنا بھی اسے گوارہ نہیں ہوتا۔

علامہ اقبالؒ نے اس کیفیت کے اظہار کے لیے ’’ضربِ کلیم‘‘ میں مومن کے عنوان سے جو نظم لکھی ہے اسے یہاں نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے:

مومن کی دنیا:

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہوتو فولاد ہے مومن
افلاک سے ہے اس کی حریفانہ کشاکش
خاکی ہے مگر خاک سے آزاد ہے مومن
جچتے نہیں کنجشک و حمام اس کی نظر میں
جبریل و سرافیل کا صیاد ہے مومن

جنت میں:

کہتے ہیں فرشتے دل آویز ہے مومن
حوروں کو شکایت ہے کم آمیز ہے مومن

نقوشِ مہروفا

(فرمودات قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

(مرتب: سید رحمت اللہ شاہ)

قرآن پاک پر بڑی تحقیق کی گئی کہ اس میں کوئی اختلاف ڈھونڈا جائے لیکن نہیں ملا۔ حضرت عثمانؓ کا مسودہ جس کو پڑھتے ہوئے آپؓ کی شہادت ہوئی، اس پر خون کے نشانات ہیں، وہ تاشقند میں اب بھی موجود ہے۔ معاہدہ تاشقند کے وقت جب ایوب خان روس گئے تو روس نے انہیں بھی اس کی ایک فوٹو کاپی دی۔ یہ قومی اثاثہ تھا، اسے گھر میں تو نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ ایوب خان فوت ہو گئے تو گوہر ایوب نے بتایا کہ اسے ہم نے نیشنل لائبریری میں رکھوا دیا۔

وہ اپنی تحقیق میں ناکام ہو گئے تو انہوں نے اسے چھوڑ دیا۔ کہیں کوئی اختلاف نہیں ملا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ. (سورۃ ۱۵۔آیت ۹)

ترجمہ: ’’ہم نے اسے نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں‘‘۔

نہ کسی اور الہامی کتاب کے بارے میں یہ دعویٰ کیا گیا، نہ وہ باقی رہیں۔ قرآن کے بارے میں یہ فرمایا گیا اور اللہ نے اس کو باقی بھی رکھا۔ ان صحابہ کرامؓ کا احسان ہے کہ انہوں نے یہ انتظام فرما دیا۔ سارے نسخے اِدھر اُدھر سے اکٹھے کر کے لکھ کے، باقی سب مٹا دیئے کہ یہ رہیں گے ماسٹر کاپی۔ صوبوں میں بھی بھجوا دیں اور اپنے پاس بھی رکھیں۔ جس نے چیک کرنا ہے، ان کے ساتھ ملاؤ۔ اللہ کی مہربانی ہے، بڑا ہی احسان ہے، پوری اُمت تک ہمیشہ کے لئے رہے گا۔ انہوں نے اس کو ہر طرح کی تاریخی تبدیلیوں سے بچا لیا۔ یہ جو لکھا ہے اس میں سے لیا کریں گے، اس کا فائدہ ہوگا۔ نہیں کریں گے تو نافرمانی تو ہوگی، سو ہوگی لیکن یہ ہے کہ اس کا جو اجر ہے اس سے بھی محروم رہ جائیں گے۔

اگر قرآن کہتا ہے کہ چلتے پھرتے ، اٹھتے بیٹھتے، اللہ کا ذکر کرو، اب یہ ہم نہیں کرتے تو ظاہر ہے اس کا جو اجر وثواب ہے، اس کی جو برکات ہیں، ان سے تو محروم ہوں گے۔ بیسیوں آیتیں ہیں، کوئی ایک تو نہیں ہے۔ فرمایا ہے:

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلاةَ فَاذْكُرُوا اللَّهَ قِيَاماً وَقُعُوداً وَعَلَى جُنُوبِكُمْ فَإِذَا اطْمَأْنَنتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلاةَ إِنَّ الصَّلاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَاباً مَّوْقُوتاً. (سورۃ النساء۴۔آیت۱۰۳)

جب نماز ادا کر چکو تو اٹھتے، بیٹھتے، لیٹے، اللہ کا ذکر کرو۔

سورۃ الجمعہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيراً لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُون. (سورۃ الجمعہ۶۲۔آیت۱۰)

جمعہ پڑھا۔ پہلے خود بلایا کہ جب جمعہ کی اذان ہو تو کاروبار چھوڑ کے آؤ۔ اور کسی نماز کے لئے نہیں کہا۔ لیکن جب نماز ادا ہو گئی تو کہا کہ جاؤ اب ہو گیا ہے کام۔ زمین پہ پھیل جاؤ، اللہ کا فضل تلاش کرو۔ لیکن فرمایا کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرو وہاں بھی کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

بیسیوں آیتیں ہیں جن میں یہ حکم ہے کہ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اللہ کا ذکر کرو۔ نماز کو بھی اللہ کا ذکر بتایا گیا۔ بڑے بڑے مفسر حضرات بھی اس میں Confuse ہو جاتے ہیں، بلکہ مسئلہ ہی بنا لیتے ہیں کہ نہیں جی نماز ہی ذکر ہے۔ کہا بھی گیا ہے کہ

أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي. (سورۃ طٰہٰ۲۰۔آیت۱۴)

حضور علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نماز میری یاد کے لئے قائم کرو۔

اور بھی چیزیں ذکر ہیں۔ درود شریف بھی ذکر ہے۔ قرآن پاک کا پڑھنا بھی ذکر ہے۔ اللہ کے نام کا بار بار ذکر کرنا بھی ذکر ہے۔ صرف وہ نہیں ہے۔ قرآن میں سورۃ الاعلیٰ میں فرمایا ہے:

قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّى. وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى. (سورۃ الاعلیٰ ۸۷۔آیات ۱۴۔۱۵)

فلاح پا گیا وہ جس نے اللہ کے نام کا ذکر کیا اور نماز پڑھی، دونوں الگ الگ بیان کئے

بلکہ ذکر پہلے آیا اور نماز بعد میں آئی۔دونوں چیزوں کا ذکر کیا۔

قَدْ اَفْلَحَ مَن تَزَكّٰى.

وہ تزکیہ جو رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے۔ یُزَکِّیْھِم. نورِ نبوت سے دلوں کی سیاہی دور ہو جاتی تھی۔وہ تزکیہ بھی پہلے ہونا چاہئے۔رسول اللہ ﷺ، پھر صحابہؓ پھر تابعین، اور آگے اولیاء کرام اور نیک لوگوں کی صحبت جو ہے یہ اختیار کرو۔یہ تزکیہ اور پھر آگے فرمایا کہ

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّه. "اپنے ربّ کے نام کا ذکر کیا"۔

یہ نہیں لکھا کہ اپنے ربّ کو یاد کیا۔ربّ کے نام کا ذکر کیا۔اس کا مطلب ہے کہ نام کو بار بار پڑھنا، یہی ذکر ہے۔جو بھی احسن طریقے ہیں، مرشد جو بھی تعلیم دے، اس کو کرو۔ہمارے سلسلے میں یہ اسم ذات کا ذکر ہے۔اللہ کا نام جو ہے یہ اس نے پکارنا ہے۔اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، ہر سانس کے ساتھ، جو سانس اندر جائے اس کے ساتھ بھی اللہ کہو، جو سانس باہر آئے اس کے ساتھ بھی اللہ کہا جائے۔

مطلب یہ کہ ذکر اور نماز علیحدہ علیحدہ بتایا۔دونوں کو کرنا ہے تب کامیابی ہوگی۔جو ادھر کئی اہلِ ذکر لوگ ہیں وہ نماز نہیں پڑھتے۔صوفیاء میں داخل ہیں، ہم اولیاء اللہ ہیں۔ہم ولی اللہ ہیں۔نماز نہیں پڑھتے کہ جی ہماری نماز ہی نماز ہے۔یہ اٹھنا بیٹھنا عوام کے لئے ہے۔ہم تو ہر سانس کے ساتھ اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ان کو شیطان نے اُسی آدھے پہ لگا دیا ہے۔وہ انہوں نے ذکر کو پکڑا، نماز چھوڑ دی۔کئی لوگ ہیں جو نماز پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جی یہی ذکر ہے۔قرآن پاک میں جب اللہ نے کہا ہے تو دونوں ہیں۔وہ اللہ کا ذکر بھی ہے، یہ بھی ہے۔اللہ کے نام کا ذکر ہے۔وہ کہتے ہیں کہ نماز ہی ذکر ہے۔یہ سارے ذکرِ الٰہی میں شامل ہیں۔ان کو ملا کے کریں گے تو پھر وہ صحیح بات بنے گی۔

جب قرآن میں اتنی بار اس کی تاکید فرمائی گئی ہے کہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، یہاں تک کہ جنگ کا لکھا ہوا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوْا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلَحُوْنَ.

ترجمہ: ''جب جنگ میں آمنا سامنا دشمن سے ہو جائے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ''۔ (سورۃ الانفال ۸۔ آیت ۴۵)

فلاح اللہ کے ذکر کے ساتھ ہی منسوب کر دی گئی ہے۔ جنگ میں کہا کہ وہاں بھی اللہ کا ذکر کرو۔ چلتے پھرتے، گولیاں چلاتے بھی، جنگ میں بھی، فائرنگ کرتے بھی اللہ کا نام لے کے چلاؤ۔ بیٹھے ہو تو اللہ کا ذکر کرو۔

ہماری جب ۱۹۶۵ء کی جنگ ہوئی تو بمبار جہاز بھی تھے لیکن کم تھے، زیادہ تعداد میں نہیں تھے۔ یہ ٹرانسپورٹ والے، سواریوں والے جہاز یہ سی ۱۳۰ (C-130) آج کل جو امریکن چلتا ہے، یہ جہاز آیا ہوا تھا۔ اس جہاز کے پیچھے وہ دروازہ سامان لوڈنگ کے لئے ہوتا ہے، وہ کھل جاتا ہے۔ اس جہاز کو بمبار بنالیا گیا۔ اس جہاز میں تھوڑے کی بجائے بیسیوں بم آجاتے تھے۔ لکڑی کی چوکیوں پر یہ بم رکھ کے لے جاتے۔ رات کا ٹائم ہے۔ نہ ان کو دکھائی دیتے تھے کہ کہاں یہ ہیں۔ جدھر مرضی چلے جاتے تھے۔ آگرہ، بٹالہ، بھٹنڈہ، امرتسر، جو مرضی ٹارگٹ پر پہنچ جاتے تھے۔ راڈار پر پتا تو چل جاتا تھا کہ جہاز آرہا ہے، مگر اس کو شوٹ کون کرے گا کیونکہ یہ Gunner کو دکھائی نہیں دیتا تھا۔ نہ جہازوں کو دکھائی دیتا تھا۔ ہمارا جو Navigate عملہ ساتھ ہوتا تھا وہ قطار میں کھڑا کر کے نعرۂ تکبیر لگا کے بسم اللہ، اللّٰہُ اکبر کہہ کے ٹانگ مارتے اور وہ گیا۔ ایسے لڑھکا کے پھینکے جاتے تھے۔ جس بھی ایریا میں یہ بم جاتے وہ سارا اُڑ کے رہ جاتا تھا۔ یہ مسلمان تھے۔

یہی بات کہ جنگ کے دوران بھی نعرے مارو۔ فائرنگ کرتے بھی، بم پھینکتے بھی، اللہ کا نام لے کے ذکر کرتے ہوئے، یہی کامیابی ہے۔ مسلمان کے ہر کام میں اللہ کا ذکر ہے۔ اس کا جو فرمایا کہ دُعا جو ہے وہ مومن کا ہتھیار ہے، تو اس کو ساتھ رکھنا ہے۔ اللہ کے نام کو ساتھ رکھنا ہے۔ دنیا کا کام ہے، کھانا کھا رہا ہو، پانی پی رہا ہو، کاشتکاری کر رہا ہو، توکل علی اللہ۔

امریکہ کی کرنسی جو ہے اس میں ہر ڈالر پر اور ہر سکے پر یہ لکھا ہوا ہے: We trust in God

بڑا ڈالر کا نوٹ ہے یا چھوٹی آنی چوانی ہے، سب پہ لکھا ہے: .We trust in God اس کا مطلب ہے توکل علی اللہ۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم دہریے ہیں، ہم یہ ہیں اور ہم وہ ہیں لیکن ہر کرنسی پہ یہ لکھا ہوا ہے۔

دونوں ہی چاہئیں۔ دونوں ہی ساتھ ساتھ چلنے چاہئیں۔ پھر وہ نماز بھی ٹھیک ہو جاتی ہے۔ یہ جو شکایت ہوتی ہے کہ خیالات آتے ہیں۔ اور یہ دماغ بھاگ جاتا ہے۔ یہ قبلہ انصاری صاحبؒ نے بھی لکھا ہے کہ ساری عمر پڑھتے رہو، جب تک پاس انفاس کا ذکر نہیں سیکھو گے، چوبیس گھنٹے اٹھتے بیٹھتے اللہ کا ذکر نہیں کرو گے، یہاں بیٹھے بھی آپ کے ذہن میں وہ اللہ ہی ہو، اٹھتے بیٹھتے ہیں تو ذہن میں اللہ ہی کو نجتا رہے۔ پٹھے کاٹ رہے ہیں، یہ چارہ وغیرہ تب بھی، یعنی

ع ہتھ کار وَل، دل یار وَل

جب تک دل یار میں اٹکے گا نہیں! یہ نماز میں بھی ایسے ہی ہو گا۔ اِدھر ہو جائے گی مشق کہ آپ کام کاج کے دوران بھی اللہ کا تصور جو ہے اس کو نہیں چھوڑتے تو نماز میں کیسے بھاگ جائے گا۔ فرمایا کہ اس کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

ایک دن ٹی وی پہ کوئی ماہر نفسیات تھا، وہ Tension اور ایسی بیماریوں کی بات کر رہا تھا کہ یہ دل کی بیماریاں اور سب اس سے ہوتی ہیں۔ آج یہی سب کہتے ہیں کہ Tension نہ لیں، وہ نہ کریں۔ کیسے نہ لیں؟ Tension تو آتی ہے۔ ہوتی ہے، کیسے جائے گی؟

وہ ماہر نفسیات کہتا ہے کہ ایک انٹرنیشنل سروے کیا گیا کہ دیکھتے ہیں کون سی قوم ہے جس کے Heart جو ہیں وہ Balance ہیں یا کتنے percent balance ہیں۔ یورپ میں بھی کیا گیا۔ کافی اچھے تھے۔ یورپ والے بھی بیس سے پچیس فیصد Balance تھے۔ سب سے اچھے امریکن تھے۔ وہ کوئی تیس فیصد کے قریب تھے۔ اس نے کہا کہ افسوس کی بات ہے ہم مسلمان جو اللہ کے کلام کے حامل ہیں، جو ذکر کرتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، اور دعوے کے ساتھ کہتے ہیں: أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب . (سورۃ الرعد ۱۳۔ آیت ۲۸)

''اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔''

کہتا ہے کہ ہم سب سے کم ترین لیول پر تھے۔ ہمارا لیول کم تھا۔ صرف پانچ سے چھ فیصد تھا۔ کہنے لگا کہ شرم کی بات ہے۔ یہ بات ہے لیکن ہم ذکر نہیں کر رہے۔ ذکر میں بات کوالٹی کی ہے کہ ہم میں وہ معیار بھی ہے اس کا کہ نہیں ہے۔ پھر انہوں نے خود ہی سنایا کہ میں پشاور گیا ہوا تھا۔ اُدھر عشاء کی نماز ہوئی تو رولا پڑ گیا۔ کچھ آدمی کہیں کہ مولوی صاحب نے تین رکعتیں پڑھائی ہیں، کچھ کہیں کہ نہیں چار پڑھائی ہیں۔ یاد تو کسی کو نہیں ہوتا، پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ کون گن رہا ہوتا ہے۔ ایک حاجی صاحب تھے، ٹوپی پہنی ہوئی، داڑھی والے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں جی مولوی صاحب نے تین ہی پڑھائی ہیں۔ مجھے پکا یقین ہے کہ تین ہی پڑھائی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حاجی صاحب آپ کو کیسے پکا یقین ہے۔ سارے کہہ رہے ہیں کہ میرا خیال ہے تین پڑھائی ہیں، کوئی کہتا ہے کہ لگتا ہے چار ہی پڑھائی ہیں۔ کون گن رہا ہوتا ہے۔ آپ کو کیسے پکا یقین ہے۔ کہتا ہے: ''خو چہ ہمارا چار دکان ہے اور ہم ہر رکعت میں ایک دکان کا حساب کرتا ہے۔ ابھی تین دکانوں کا حساب ہوا، نماز ختم ہو گئی، ہمیں پکا یقین ہے کہ تین ہی پڑھائی ہیں''۔

آپ اندازہ کریں، نماز کا ہمارا یہ حساب ہے۔ نماز میں کھڑے ہیں اور حساب دکان کا ہو رہا ہے۔ جس کے لئے پڑھی جا رہی ہے، جس کے سامنے کھڑے ہیں، جس کے سامنے عہد باندھے جا رہے ہیں، اس کا خیال نہیں ہے۔ کہنے لگے کہ یہ تو حساب ہے کہ ہمیں پکا یقین ہے کہ نہیں تین ہی پڑھائی ہیں۔ بات تو یہ ہے کہ وہ حضور نبی کریم ﷺ کی حدیث مبارکہ بھی ہے کہ اگر کوئی آدمی دو رکعت پڑھے ایسی کہ تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک بیچ میں اس کا نفس کوئی بات نہ کرے، کوئی بات داخل نہ ہو، خدا اس کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کر دے گا۔ اسے حضوری والی نماز کہتے ہیں۔ اللہ کی حاضری، خود بندہ اس کے ساتھ رہے۔ باباجیؒ (خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ) نے فرمایا کہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا جب تک پاس انفاس نہیں کریں گے۔ ایک آدمی کاروبار کے دوران بھی اللہ کا خیال رکھتا ہے، دکان پہ بیٹھا ہے تب بھی اللہ کا

خیال رکھتا ہے، گاڑی چلا رہا ہے تب بھی اللہ کا خیال ہے، چارہ کاٹ رہا ہے تب بھی اللہ کا خیال ہے، مشین پہ کتر رہا ہے تب بھی اللہ کا خیال ہے، تو یہ نماز میں کون ہٹا سکتا ہے جب کہ Purely فارغ وقت مل جائے گا تب بھی اللہ کا ہی خیال رہے گا۔

تکبیرِ تحریمہ اس کو کہتے ہیں ناں کہ حرام کر دینے والی۔ تکبیر تو ہے: اللّٰہ اکبر۔ نعرۂ تکبیر۔ اللّٰہ اکبر۔ یہ تکبیرِ تحریمہ ہے۔ اس تکبیر کے پھیرنے سے، بہت سی چیزیں حرام ہو جاتی ہیں۔ جیسے احرام باندھتے ہیں تو کئی چیزیں حرام ہو جاتی ہیں۔ ایسے ہی یہ تکبیرِ تحریمہ ہے۔ اب آپ کوئی بات غیر از نماز نہیں کر سکتے۔ نہ کوئی حرکت کر سکتے ہیں، نہ بٹن ٹھیک کر سکتے ہیں، نہ کچھ اور۔ اب ہمارے تو کئی بھائی نماز کی نیت کرنے کے بعد ہی سارے کام کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ دونوں ہاتھ باندھے ہیں ناں اللّٰہ اکبر سے۔ جس چابی سے باندھے ہیں اسی سے کھلیں گے۔ پھر الله اکبر ہو گی تو یہ کھلیں گے۔ اگر چل پھر رہے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ باندھے ہی نہیں ہیں۔ باندھے اللّٰہ اکبر سے ہیں تو یہ اللّٰہ اکبر سے ہی کھولیں گے۔ الله اکبر ہوگا تو یہ کھل جائیں گے اور رکوع میں چلے جائیں گے۔ وہ جب باندھ دیے ہیں تو ادھر اُدھر اور کچھ اور نہیں کر سکتے۔ چھینک آ گئی، آپ نے الحمد للّٰہ کہہ دیا تو وہ نماز ٹوٹ گئی۔ حالانکہ اللہ کی حمد ہے۔ نماز میں پڑھ بھی رہے ہیں الحمدللّٰہ۔ لیکن باہر کی بات آپ نے کی تو وہ ٹوٹ جائے گی۔ کوئی خبر آ گئی کہ پاکستان جیت گیا، آپ نے سبحان اللّٰہ کہہ دیا تو گئی نماز۔ کوئی قرآن غلط پڑھ رہا ہے، آپ نے اس کی تصحیح کر دی تو گئی۔ اِدھر اُدھر نہیں چل سکتے۔ کوئی کام ایسا نہیں کر سکتے کہ جس سے یہ پتا چلے کہ بندہ نماز میں نہیں ہے۔ یہ ٹوٹ جاتی ہے۔

یہ خیال جو باہر چلا جائے تو پھر وہ کیسے رہ سکتی ہے جس کو حاضر ہونا چاہئے۔ یہ حضوری والی بات جب تک پاس انفاس نہ کیا جائے، کیسے آ سکتی ہے! یہ ایسا ذکر ہے کہ اللہ کا حکم ہے کہ یہ کیا جائے۔ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، اس کو یاد رکھے۔ ذہن آپ کے قابو میں آ جائے اور وہ آپ کے حکم پر آپ کی بات مانے۔ جدھر ٹھہرنا ہے اُدھر ٹھہرے، یہ خود بخود کیوں بھاگتا ہے۔

ہاتھ خود بخود ہلیں تو ہم کہیں گے جی کہ بیمار ہے۔بابا جی کی گردن ہلتی ہے، یہ بیمار ہے۔یہ آپ کے ماتحت ہونے چاہئیں۔آپ اس کے ماسٹر ہیں۔یہ روح یا ذہن جو ہے یہ اس جسم کا ماسٹر ہے۔ اس کے کہنے پہ چلے۔وہ کہے اِدھر ٹھہرنا ہے نماز میں تو اُدھر ٹھہرے۔اِدھر اُدھر کیوں بھاگتا ہے؟ اگر بھاگتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کے کنٹرول میں نہیں ہے۔اس دماغ کو کنٹرول میں رہنا چاہئے جب تک کہ آپ نماز سے باہر نہ آئیں۔سلام نہ پھیریں۔سلام تو اس وقت کرتے ہیں جب کہیں گیا ہوا ہو۔باہر جائے تھوڑی دیر کے لئے ہی باہر جائے اور آئے، سلام کرے تو ٹھیک ہے۔سلام! یہ اسی لئے ہے کہ وہ دو منٹ تھے یا پانچ منٹ تھے، وہ ذہن اللہ کی حضوری میں تھا۔ آپ سماج سے Cut off تھے۔اب وہ باہر سے آیا ہے۔یہ Right اور Left سلام کہتا ہے۔ اللہ کا پیغام دیتا ہے۔جب تک وہ ساتھ نہیں چلتا یہ ہو نہیں سکتا۔اس کو ساتھ چلانے کے لئے اللہ کا ذکر جو ہے وہ کرو۔سورۃ الاعراف کی آخری آیات میں یہ لکھا بھی ہے کہ

وَاذْكُر رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعاً وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ ۔

ترجمہ: ''اپنے ربّ کو نفس میں یا دل میں یاد کرو، عاجزی اور انکساری سے، اور آواز نکالے بغیر''۔اونچی آواز نہیں نکالنی۔دل میں کرو۔

بِالْغُدُوِّ وَالآصَالِ۔ صبح وشام۔

﴿وَلاَ تَكُن مِّنَ الْغَافِلِيْنَ﴾ ایسا نہ ہو کسی وقت کہ تم خدا کو بھول جاؤ۔

یہ نہیں ہوگا اگر محبت کی بات ہے کہ خدا سے ہی محبت ہے۔

وَالَّذِيْنَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰه (سورۃ البقرہ ۲۔آیت ۱۶۵)

پھر وہ اَشَدُّ والے نہیں بھول سکتے۔باقی سب کچھ بھول سکتا ہے، اللہ نہیں بھول سکتا۔ اس کے ذکر میں رہو گے تو نمازیں بھی ان شاءاللہ تعالیٰ حضوری والی ہو جائیں گی۔

انسان دوستی

(ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰؒ)

آدمیت احترامِ آدمی
باخبر شو از مقامِ آدمی

یوں لگتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز اس لیے پیدا کی گئی ہے کہ انسان کی خدمت و چاکری کرے، انسان خواہ بظاہر مجبور و مسکین نظر آئے لیکن اپنی ذات میں ایک عظیم و جلیل القدر ہستی ہے۔ غور کیجیے کہ سورج، چاند، ستارے، سمندر، پہاڑ، ہوائیں، بادل حتیٰ کہ گھاس پھوس کے تنکے سب اپنی اپنی جگہ پر انسان کے لیے اہم کام کر رہے ہیں۔ دنیا کی ان تمام چیزوں میں سے کوئی سی چیز بھی خواہ وہ بظاہر کتنی ہی بے قیمت نظر آتی ہو، اگر اس دنیا سے غائب کر دی جائے اور اس کا وجود ختم کر دیا جائے تو اس سے انسان کا ضرور نقصان ہوگا۔ حتیٰ کہ ریت کے ذرّے اور گھاس کے تنکے بھی اگر اس کائنات میں سے ختم کر دیئے جائیں تو انسان کا حرج ہوگا۔ ہوا نہ ہو تو انسان کا نقصان، پانی نہ ہو تو انسان کا نقصان، بادل برکھا نہ ہو تو انسان کا نقصان، سورج ستارے نہ ہوں تو بھی انسان کا نقصان لیکن اگر خدانخواستہ خود انسان ہی کا وجود ختم کر دیا جائے تو اسکے غائب ہونے سے نہ سورج کا نقصان، نہ ستاروں کا، نہ سمندروں کا، نہ ہواؤں کا! انسان کے نہ ہونے سے کسی کا بھی کوئی حرج نہیں۔ سب موجودات اپنی اپنی جگہ پر معمول کے مطابق باقی رہ جائیں گی۔ اس سے ایک انتہائی اہم نتیجہ نکلتا ہے اور وہ یہ کہ انسان کائنات کی کسی شے کے کام نہیں آتا۔ البتہ کائنات کی ہر شے انسان کے کام آتی ہے۔ انسان کسی کی چاکری نہیں کرتا، لیکن کائنات کی ہر شے انسان کی چاکری اور سیوا میں لگی ہوئی ہے۔ انسان کائنات کے لیے نہیں البتہ کائنات انسان کے لیے ہے۔

؎ نہ تو زمیں کیلئے ہے نہ آسماں کیلئے
جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کیلئے

حقیقت یہ ہے کہ انسان خدا کے لیے ہے اور انسان انسان کے لیے ہے۔ اس بات کے پہلے جُزو کو اسلام میں حقوق اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور دوسرے جُزو کو حقوق العباد سے۔ اس دنیا کی حد تک تو حقوق العباد کی اہمیت حقوق اللہ سے بھی زیادہ ہے۔ یہی انسان دوستی ہے۔ انسان دوستی سے محرومی فقط اس بات کا نتیجہ ہے کہ انسان مقام انسانیت سے ناواقف ہو جاتا ہے۔ وہ بھول جاتا ہے کہ وہ مخدومِ موجودات ہے، وہ مسخر کائنات ہے۔ وہ اشرف المخلوقات ہے۔ وہ مسجودِ فرشتگان ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا نائب ہے۔ اسے احسن تقویم میں پیدا کیا گیا ہے۔ انسان کی اصل بدنصیبی یہی ہے کہ وہ اپنا مقام بھول جاتا ہے۔ اپنی خودی سے ناآشنا ہو کر وہ اپنی باعزت حیثیت کو فراموش کر دیتا ہے۔ اسے یاد نہیں رہتا کہ وہ کس قدر لائق تعظیم و تکریم ہے۔ انسان کی تکریم تو خود اللہ تعالیٰ نے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ''یقیناً ہم نے انسان کو لائق عزت قرار دیا ہے۔ دیکھو ہم انسانوں کو خشکی و تری میں اٹھائے پھرتے ہیں اور ان کو رزق عطا کیا ہے۔''

تو وہ ہستی جس سے خود خالق کائنات پیار کرے اور اسے لائق عزت قرار دے۔ اس ہستی کی عظمت رفعت کا کیا کہنا۔ انسان سچ مچ عظیم ہے۔ یہ رحمٰن و رحیم کا نائب ہے۔ اس لیے اس کی ذات میں بھی رحمانیت اور رحیمیت جھلکتی ہے۔ یہ پیار و محبت کا سراپا ہے۔ یہ بہترین دوست ہے اور صرف دوستی کے لائق ہے۔ نفرت، دشمنی، بغض، کینہ، حسد اس وقت انسان کے دل میں جگہ پاتی ہیں جب وہ اپنی انسانیت سے غافل ہو جاتا ہے۔ روحانی طور پر بیمار ہو جاتا ہے اور دیوانگی کے عالم میں خود اپنا سر پھوڑنے لگتا ہے۔

انسان دوستی ہر آسمانی مذہب کی تعلیمات کا نچوڑ ہے، اس لئے کہ تمام آسمانی مذاہب کی اصل و بنیاد ایک ہی ہے۔ انسان دوستی کے بارے میں بنیادی اصول حضور نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد میں ملتا ہے:

ترجمہ ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، کوئی بندہ اس وقت تک مومن

نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے دوسرے بھائی کے لیے وہ بات پسند نہ کرے جو خود اپنے لیے پسند کرتا ہے''۔ایک اور ارشادِ نبوی ملاحظہ ہو:

ترجمہ: ''اپنے بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار نہ کر' کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے حال پہ تو اللہ تعالٰی رحمت فرما دیں اور تمہیں اس مصیبت میں مبتلا کر دیں۔''

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ یمن کی طرف انہیں روانہ کرتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ نے جو آخری وصیت فرمائی اس کے الفاظ یہ تھے:

ترجمہ: ''اے معاذ! لوگوں کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آنا۔''

ایک موقع پر آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ ''حسن سلوک اس بات کا نام نہیں کہ نیکی کا جواب نیکی سے اور برائی کا جواب برائی سے دیا جائے۔ بلکہ حسن سلوک یہ ہے کہ لوگ خواہ بھلائی سے پیش آئیں خواہ برائی سے، اپنی طرف سے ہر حال میں نیکی ہی کی جائے''۔

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ ذمہ داری آپ نے سردار اور رہنما پر عائد فرمائی۔ارشاد ہے:

ترجمہ ''قوم کا سرداران کا خادم ہوتا ہے۔تو جو شخص لوگوں کی خدمت کرنے میں سبقت لے جائے تو لوگ اس سے کسی عمل کی بدولت نہیں بڑھ سکتے۔سوائے شہادت کے۔''

اسلام نے انسان دوستی کی تعلیم دیتے ہوئے یہ باتیں بنیادی طور پر ذہن میں بٹھا دی ہیں کہ دوسروں کے بارے میں بالکل اسی خیر خواہی اور نیک نیتی سے کام لینا چاہیے جیسا کہ خود اپنی ذات کے بارے میں۔دوسروں کی تکلیف کو اسی درد سے محسوس کرنا چاہیے گویا کہ وہ تکلیف اپنے آپ کو ہو رہی ہے۔امیر مینائی نے خوب کہا:

خنجر پڑے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

ہمدردی کے اس جذبے کے ساتھ خدمت خلق اس کی انسانیت کو مکمل کر دیتے ہیں۔

لطف یہ ہے کہ اس اعزاز و اکرام میں اور اس حسن سلوک میں غیر مسلموں کو بھی اس طرح

شریک کیا گیا ہے۔سب سے پہلے تو خود اللہ تعالیٰ نے ''ولقد کرمنا بنی آدم'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔بنی آدم میں مسلم او رغیر مسلم سب شامل ہیں۔اللہ تعالیٰ نے نسل انسانیت کو ہی عزت بخش دی ہے۔پھر اس بارے میں حضور اکرم ﷺ کا ایک ارشاد بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔فرمایا: ''جو مسلمان کسی غیر مسلم شہری پر ظلم کرے گا یا اس کا نقصان کرے گا یا اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالے گا یا اس کی کوئی چیز جبراً لے لے گا تو خدا کی عدالت میں مسلمان کے خلاف دائر ہونے والے مقدمہ میں اس غیر مسلم شہری کا میں وکیل بن کر کھڑا ہوں گا۔''

حقوق العباد کی ساری تعظیم انسان دوستی کی تعلیم ہے۔والدین ،شوہر، بیوی، اولاد، رشتہ دار، یتیم و مسکین، پڑوسی، مہمان، غیر مسلم شہری، خادم، ماتحت، غریب، بھوکے، پیاسے، اور بیمار لوگ ان سب کے علیحدہ علیحدہ حقوق بیان کیے گئے ہیں بلکہ احادیث کی کتب میں ان کے الگ الگ باب ،باندھے گئے ہیں۔صرف نمونہ کے طور پر آخری قسم کے لوگوں کے بارے میں ایک حدیث مختصراً نقل کرتا ہوں، ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے انسان میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھلایا نہیں، میں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی تک نہیں پلایا۔اسی طرح کسی سے پوچھیں گے کہ میں بیمار تھا تم نے میری بیمار پرسی نہیں کی۔تو بندہ یہ پوچھے گا کہ اے اللہ تو تو ان کمزوریوں سے پاک ہے۔اللہ تعالیٰ جواب دینگے کہ میرا فلاں بندہ تمہارے سامنے بھوکا رہا۔میرا فلاں بندہ تمہارے سامنے پیاسا رہا۔فلاں شخص بیمار رہا۔تم اگر انہیں کھلاتے پلاتے تو وہ کھانا پینا آج میرے یہاں ہی موجود پاتے۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان دوستی دراصل خدا دوستی ہے۔غور فرمایئے کہ منافق کی چاروں مشہور صفات ایسی ہیں جو انسان دوستی کی ضد ہیں۔وہ صفات یہ ہیں:

1۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ 2۔جب عہد باندھے تو پورا نہ کرے۔

3۔ جب کسی سے جھگڑے تو گالی گلوچ پر اتر آئے۔4۔امانت میں خیانت کرے۔

اس سے معلوم ہوا کہ منافقت انسان دوستی کی ایک متضاد صفت ہے۔اس کے برعکس ایمان و اخلاص سے انسان دوستی کے سوتے پھوٹتے ہیں۔

ایمان والے اللہ سے کیوں ڈرتے ہیں!

(ہارون یحییٰ)

یہ سمجھنے کیلئے کہ اہل ایمان اللہ سے کیوں ڈرتے ہیں، اس بات کا ادراک بہت ضروری ہے کہ اللہ کا ڈر دراصل ایک ایسا احساس ہے جو ایمان لانے والے کے ایمان ،جذبہ، پیار اور اللہ کریم کے احترام کو جِلا بخشتا ہے۔ یہ خوف انسان کو اللہ کے ناپسندیدہ اعمال سے بچنے، نفسانی خواہشات کو دبانے اور لامحدود شیطانوں پر قابو پانے کیلئے ڈھال فراہم کرتا ہے۔ مثبت طرزِ فکر سے اس خوف کو خود پر لاگو کر کے دیکھا جائے تو یہ مستقلاً اچھے اعمال اور اچھے روّیوں کو پروان چڑھاتا ہے۔ یہ خوف ایمان رکھنے والے شخص کو اللہ کے عذاب سے دور لے جاتا اور اسے اللہ کی خوشنودی اور اس کے کرم کی طرف لے جاتا ہے، جس کا نتیجہ عظیم روحانی اطمینان وسکون کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔ یہ خوف ایمان والوں میں اللہ کی مقرر کردہ حدود کا خیال رکھنے کی ضرورت کو بیدار کرتا ہے، انہیں اللہ کی رضا حاصل کرنے کی مسلسل جستجو اور مستقل ہوشیار رہنے کی طرف مائل کرتا ہے۔ گویا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس دنیا میں خوفِ خدا ایمان والوں کو روزِ آخرت کے ڈر اور جہنم کے اَبدی خوف ودہشت سے محفوظ رکھے گا۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بارے میں فرمان الٰہی ہے:

ترجمہ: ''جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال رات میں اور دن میں، چھپ کر اور اعلانیہ تو ان کے لیے ان کا اجر ہے اپنے ربّ کے پاس اور نہ انہیں کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

(سورۃ البقرہ۔آیت:۲۷۴)

اہل ایمان جو اللہ کی تنبیہ اور سزا سے ڈرتے ہیں اور جو اُس (اللہ) کے احکامات اور فیصلوں پر قطعی بیداری سے ثابت قدم رہتے ہیں دراصل یہی اہل ایمان اُس بے حد اعلیٰ وارفع ضابطہ اخلاق کے مالک ہوں گے۔ عاجزی، تحمل، فکر وتدبر، مستقل مزاجی اور اللہ کی قدرت کی

بے مثال فضیلت سے حقیقی معنوں میں آگاہی جیسے اوصاف سے متصف ہونگے۔ ایسے لوگ مثالی کردار کا مظاہرہ کریں گے اور حقیقی آگاہی اور سمجھ بوجھ رکھتے ہونگے۔ مختصراً یہ کہ، اللہ کا خوف ایمان رکھنے والوں کو روحانی طور پر مضبوط بناتا ہے یہ اُن کی باطنی نظر کو جلا بخشتا اور روحانی بصیرت کے راستے قابل تعظیم ایمانی حالت عطا کرتا ہے جو حقیقتاً ابدی اجر اور خوشی کی کنجی ہے۔

وہ اللہ کے بلند و بالا رتبہ سے ڈرتے ہیں:

ایک ایمان لانے والا جو قرآن میں بیان کردہ نشانیوں کے ذریعے اللہ کے بارے میں آگاہی رکھتا ہے اور اُس کی صفات پر مخلصانہ غور کرتا ہے وہ شخص فوراً ہی اس اندرونی ڈر کو محسوس کرنے لگے گا جو اللہ کے بلند و بالا مقام اور اس کی برتری کے باعث پیدا ہوتا ہے۔ اللہ کا جاہ و جلال، اس کی عظمت اور لامحدود طاقت ایمان لانے والے کے اندر خود بخود خوف پیدا کر دے گی۔ یہ خوف ایک قدرتی خوف ہے جو اس ایمان رکھنے والے کے دل میں پیدا ہوتا ہے جو اللہ کے بلند اور اعلیٰ رُتبہ کا خیال رکھتا ہے اس خوف کی سطح کسی شخص کے ایمان کی گہرائی اور غور و فکر کی صلاحیت کے لحاظ سے بڑھتی جائے گی۔ اس طرح کے خوف کو قرآن میں خشیت (احترام کے ساتھ ڈرنا) کا نام دیا گیا ہے۔

اللہ لامحدود قوت و علم کا مالک اور لامحدود بصیرت رکھتا ہے۔ وہ جب چاہتا ہے جو چاہتا ہے سو کرتا ہے۔ وہ کسی کے سامنے جوابدہ نہیں مگر لوگوں کو اپنے اعمال کیلئے اس کے سامنے جوابدہ ہونا ہوگا۔ ہمارے خالق و مالک کو کسی شخص کی ضرورت نہیں، تاہم ساری مخلوق اُس کی محتاج ہے ہر شخص اور ہر شے کو عدم سے پیدا کیا گیا ہے اور اللہ ہی انہیں تخلیق کرنے والا ہے۔ وہ ہر شخص اور ہر شے کا مالک ہے اگر وہ چاہتا تو ہر شخص کو فنا کر دیتا اور ان کی جگہ کوئی دوسری مخلوق لے آتا وہ کبھی کوئی چیز نہیں بھولتا۔ اگر اللہ کسی بات کی خواہش کرتا ہے تو وہ صرف ''کن (ہوجا)'' کہتا ہے اور وہ ہوجاتی ہے، کوئی شے اسے تھکا نہیں سکتی اسی لیے ایک عقل رکھنے والے شخص کیلئے

ایک لمحہ کیلئے بھی اللہ سے اختلافی روّیہ روا رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ وہ سمجھ سکتا ہے کہ اس عظیم ہستی کے سامنے وہ کیسے باغیانہ روّیہ اختیار کر سکتا ہے جس کی برتری لامحدود ہے۔

قرآن میں بتائی نشانیوں سے اللہ کو پہچاننے والا کوئی بھی شخص جو اس کی قوت کو تسلیم کرتا ہے وہ اس کی عظمت سے خشیت کو محسوس کرے گا اور اس کے حضور عاجزی وانکساری اختیار کرے گا۔ ایک مسلمان جو اللہ کی عظمت، جاہ وجلال اور قوت کو جانتا ہے وہ اس کی صفات جیسے کہ ''بدلہ دینے والا'' ''زوروالا'' سزادینے والا'' اور رسوا کرنے والا سے بھی واقف ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہوگا کہ اللہ کے احکامات کے خلاف کوئی بھی روّیہ اُس (اللہ) کے ردِّعمل سے بچ نہیں پائے گا۔ مسلمان اس علم کے ساتھ کوئی بھی کام انجام دے گا کہ اللہ ہر وقت ہر شے سے باخبر ہے اور یہ کہ وہ (اللہ) ہر جگہ اور ہر مقام پر موجود ہے، اور یہ کہ وہ اللہ اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔

ایمان لانے والے کے خلوص کے صلے میں، اللہ تعالیٰ اُسے اپنا کبھی نہ ختم ہونے والا اجر عطا کر کے اس دنیا میں بھی عزت بخشے گا اور آخرت میں بھی جنت میں جگہ عطا فرما کر نوازے گا:

ترجمہ: ''اور جو ڈرتا ہے اپنے ربّ کے روبرو کھڑا ہونے سے تو اس کو دو باغ ملیں گے۔''

(سورۃ الرحمٰن ۔ آیت ۴۶)

اللہ کو اس طرح تسلیم کرنے کیلئے جیسے کہ اسے تسلیم کرنے کا حق ہے یہ ضروری ہے کہ قرآن میں موجود اُس (اللہ) کی نشانیوں کے ساتھ ساتھ اس مادّی دنیا میں پائی جانے والی اُس اللہ کی نشانیوں کو پہچاننے کے قابل ہوا جائے۔ انتہائی چھوٹے ایٹم یا خلیہ سے لیکر انتہائی بڑے بڑے ستاروں اور کہکشاؤں میں اللہ کی تخلیق کے حوالے سے موجود تفصیلی علم، انسان کے دل میں اللہ کے خوف کو مزید تقویت دینے کا باعث بنتا ہے۔ ان چیزوں سے آگاہ ہونے پر انسان اللہ کی اُس وسیع ترین بصیرت، قوت اور علم کا مزید قائل ہو جاتا ہے جو ان بے شمار چیزوں میں واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے جنہیں اُس اللہ نے وجود بخشا ہے، اور انسان ان چیزوں پر غور وفکر کرنے کے

بعد اللہ کی قوتِ تخلیق کی بے مثالی کو پوری طرح سمجھنے کے قابل ہوجاتا ہے۔ یوں اس طور سے یہ غور وفکر اور آگاہی اللہ کے خوف میں کئی گنا اضافہ کا سبب بن جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ اسی راز سے قرآن میں پردہ اُٹھاتے ہوئے فرماتا ہے:

ترجمہ: ''اللہ کے بندوں میں صرف علماء ہی (پوری طرح) اس سے ڈرتے ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ سب پر غالب، بہت بخشنے والا ہے۔'' (سورہ فاطر۔آیت:۲۸)

وہ اللہ کی تنبیہوں سے ڈرتے ہیں:

ایک اور آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اپنی تنبیہوں سے ایسے ہی ڈرنے کی ہدایت کرتا ہے جیسے وہ، اس اللہ کے اعلیٰ وارفع مقام سے ڈرتے ہیں:

ترجمہ: ''یہ (وعدہ نصرت) ہر اس شخص کے لیے ہے جو ڈرتا ہے میرے روبرو کھڑا ہونے سے اور خائف ہے میری دھمکی سے۔'' (سورہ ابراہیم۔آیت:۱۶)

جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور اس کا حکم نہیں مانتے جو اس بات کا خیال نہیں رکھتے کہ اللہ کو کیا پسند ہے اور جو اس کی ہدایات اور پابندیوں کو نہیں پہچانتے، اللہ نے اُن لوگوں کے لیے کبھی نہ ختم ہونے والے روحانی اور جسمانی عذاب کا وعدہ کر رکھا ہے۔ ایک سچا ایمان لانے والا جانتا ہے کہ اس دنیا میں کوئی بھی اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکتا اسی وجہ سے وہ اُس نا قابل برداشت اور کبھی نہ ختم ہونے والے عذاب جہنم کے ذکر سے خوفزدہ ہوتا ہے جس کا اللہ نے ایمان نہ لانے والوں کے لیے وعدہ کر رکھا ہے۔ سچے ایمان والوں کی اس روحانی حالت کو قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا گیا ہے:

ترجمہ: ''اور جو تصدیق کرتے ہیں روز جزا کی اور جو اپنے رب کے عذاب سے ہمیشہ ڈرنے والے ہیں بے شک ان کے رب کا عذاب نڈر ہونے کی چیز نہیں'' (سورۃ المعارج۔آیت:۲۶۔۲۸)

سچے دل سے اللہ کا ڈر رکھنے والے مومنوں کی روحیں تک جہنم کی آگ کے بارے میں قرآن کی

آیات سن کر کانپ اُٹھتی ہیں دوسری طرف جو لوگ ایمان نہیں لاتے وہ اللہ کی کتاب (قرآن) پڑھنے کے باوجود بھی اس کے معنی مکمل طور پر سمجھ نہیں پاتے چنانچہ سچے مومن ہی قرآن کی آیات مبارکہ میں موجود جہنم کے عذاب کے بارے میں اللہ کی تنبیہات کو سمجھ سکتے ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ جو سچے مسلمان ہیں جو قرآن کی تعلیمات پر غور کرتے، اللہ کے عذاب سے ڈرتے اور پرہیز گاری اختیار کرتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں وہ (سچے مسلمان) دوسرے عام انسانوں کی پیروی کرنے کی بجائے ، خوف الٰہی رکھنے والے مومنوں (جن کی قرآن میں تعریف کی گئی ہے) اور انبیائے کرام کے کردار کی پیروی کرتے ہیں۔

یہ لوگ اس زُعم میں مبتلا ہو کر متکبر یا غافل نہیں ہو جاتے کہ چونکہ ہم ایمان لے آئے ہیں لہٰذا قرآن کی یہ آیات ہم پر لاگو نہیں ہوتیں بلکہ ایمان لانے کے نتیجے میں وہ ہمیشہ اللہ کی شفاعت اور اس کے رحم کی اُمید کرتے رہتے ہیں جیسے درج ذیل آیات مبارکہ میں بتایا گیا ہے:

''پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈرتے ہوئے اور اُمید رکھتے ہوئے۔'' (سورۃ السجدۃ۔ آیت:۱۶)

اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''جب کسی ایمان والے کا دل اُمید اور خوف کے ان احساسات سے بھر جاتا ہے تو اللہ پاک اس کی اُمید کو پورا کرتا ہے اور اسے اس کے ڈر سے نجات دے دیتا ہے''۔ **(ابن ماجہ)**

لوگوں کو جہنم سے بچانے کے لیے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار تنبیہات اور یاد دہانیاں موجود ہیں کہ شاید منکرین ان سے خوف کھا کر اپنے کردار کے بارے میں محتاط ہو جائیں ، اُنہیں اُس عذاب سے ڈرایا گیا ہے جس کا سامنا اُنہیں حالت کفر میں مرنے کے بعد کرنا پڑے گا۔ قرآن میں اس بات کو یوں بیان کیا گیا ہے:

''اصل نقصان اٹھانے والے وہ ہیں جو گھاٹے میں ڈالیں گے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن۔ ان (بدبختوں) کے لیے اُوپر سے بھی آگ کے شعلے ہوں گے اور نیچے سے بھی آگ کے شعلے ، اس (عذاب الیم) سے ڈراتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ،

اے میرے بندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو‘‘ (سورۃ الزمر آیات:۱۵۔۱۶)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے لوگوں کو اپنی آیات پیغمبروں کی تبلیغ یا اُن خاص واقعات کے ذریعے جو اُس تنبیہی نشانیوں کے طور پر رُونما ہوتے رہے ہیں واضح طور پر خبردار کردیا ہے۔ وہ (اللہ پاک) لوگوں کو اپنی طرف بلاتا ہے اور اپنے عذاب سے ڈراتا ہے۔ ’’اور ہم انہیں (نافرمانی کے انجام سے) ڈراتے رہتے ہیں۔پس نہ بڑھایا اس ڈرانے نے انہیں مگر یہ کہ وہ زیادہ سرکشی کرنے لگے‘‘(سورہ بنی اسرائیل۔آیت:۶۰)۔یہ آیت مبارکہ واضح طور پر بتاتی ہے کہ جو لوگ جانتے بوجھتے ایمان نہیں لاتے ،اللہ کی تنبیہات اُن کے کسی کام کی نہیں، اُلٹا وہ مزید سرکشی اختیار کرتے ہیں۔لیکن جب مقررہ وقت آپہنچے گا تو جس عذاب کو وہ جھٹلاتے آئے تھے وہ ایک یقینی سچ بن کر اُنہیں آلے گا۔اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو درج ذیل آیات میں بیان فرماتا ہے:

’’تیری خرابی آلگی ،اب آلگی پھر تیری خرابی آلگی اب آلگی کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اسے مہمل چھوڑ دیا جائے گا۔‘‘(سورۃ القیامہ۔آیات:۳۴۔۳۶)

وہ لوگ جو دنیاوی زندگی میں خوفِ خدا نہیں کرتے اور اللہ کے عذاب کو جھٹلاتے ہیں، روزِ حساب (جب ہر شخص کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ ہوگا) اُنہیں اُن کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور گروہوں کی شکل میں جہنم کے ابدی عذاب کی طرف دھکیل دیا جائے گا جب انہیں جہنم کے دروازوں کی طرف لے جایا جائے گا تو وہ نفسیاتی طور پر مکمل تباہی کا شکار ہوں گے۔

اللہ پاک ان لمحات کو اپنی آیات (سورۃ الزمر۔آیات:۷۱۔۷۲) میں اس طرح بیان فرماتا ہے:

’’اور ہانکے جائیں گے کفار جہنم کی طرف گروہ در گروہ، جب اس کے پاس آئیں گے تو کھول دیئے جائیں گے اس کے دروازے اور پوچھیں گے ان سے دوزخ کے پہرے دار کیا نہیں آئے تھے تمہارے پاس پیغمبر تم میں سے جو پڑھ کر سناتے تمہیں تمہارے ربّ کی آیتیں اور ڈراتے تمہیں اس دن کی ملاقات سے۔کہیں گے بیشک آئے تھے لیکن ثبت ہو چکا تھا (لوحِ محفوظ میں) عذاب کا حکم کفار پر انہیں کہا جائے گا داخل ہو جاؤ دوزخ کے دروازوں سے اس حال میں

کہ تم ہمیشہ اس میں رہوگے ۔پس کتنا برا ٹھکانہ ہے مغروروں کا''۔

اس طرح سے وہ جہنم کے دروازوں سے اندر داخل ہوں گے ہمیشہ ہمیشہ وہاں رہنے کیلئے ۔پھر جہنم کے دروازے بند کر کے مقفل کر دیئے جائیں گے، اُن کے لیے فرار کا کوئی راستہ نہ ہوگا اور اُن کے بدن اور روحیں کبھی نہ ختم ہونے والی نا قابل برداشت تکلیف میں مبتلا ہوں گی لیکن انکو ملنے والی کوئی بھی سزا ان کا خاتمہ نہیں کرے گی بلکہ انہیں آگ میں بار بار ڈالا جائے گا ہر بار جلنے پر اُن کو نئی جلد عطا کی جائے گی اور یوں اُن کا عذاب جاری رہے گا ۔وہ عذاب کے خاتمے کیلئے گڑگڑائیں گے مگر انہیں یہ جواب ملے گا:

''اور وہ پکاریں گے، اے مالک! بہتر ہے کہ تمہارا رب ہمارا خاتمہ ہی کر ڈالے ۔ وہ جواب دے گا کہ تمہیں تو یہاں ہمیشہ جلتے رہنا ہے ۔''(سورۃالزخرف آیت:۷۷)

جہنم کے عذاب مختلف قسم کے ہیں اور ان میں سے ہر عذاب انسانی تصور سے بھی باہر ہے ایمان سے منہ موڑنے والے جہنم کی آگ کا ایندھن ہوں گے اور بے حد تکلیف میں مبتلا رہیں گے اُن چہروں کو آگ میں روندا جائے گا ۔ہاتھ باندھ کر انہیں تنگ مقامات پر کھولتی آگ میں پھینک دیا جائے گا جہاں اُنہیں اُبالا اور پگھلایا جائے گا ۔پھر اسی حالت میں اُنہیں لوہے کے گرزوں سے کوڑے لگائے جائیں گے ،وہ تارکول کا لباس پہنیں گے اور آگ کے بستروں پر سوئیں گے ۔وہ کانٹوں بھری کڑوی جھاڑیاں اور زہر آلود زقوم کھائیں گے اور خون اور زخموں سے رِستی پیپ پئیں گے ۔انہیں پینے کیلئے جو کھولتا ہوا پانی ملے گا وہ ان کے کٹوروں کو پارہ پارہ کر دے گا آگ اُن کے چہروں کو اُدھیڑ دے گی ان کے ہونٹ دانتوں سے کٹ کر لٹک رہے ہونگے اور وہ آہیں بھرتے بمشکل سانس لے رہے ہوں گے یہ سب جہنم کے جسمانی عذاب کا انتہائی محدود بیان ہے ۔

جہنم کے عذاب میں مبتلا افراد کو نفسیاتی طور پر بھی اسی تکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا جس سے وہ جسمانی طور پر گزر رہے ہوں گے ۔وہ بیک وقت خود کو لاچار، نا امید اور مایوس محسوس کریں گے اور انہیں رسوائی ذلت ،شرمندگی ،تذلیل ،غصے ،طیش اور عیب جوئی کا سامنا کرنا پڑیگا،

پھر اس پر اُن کو دی جانے والی سزا انہیں قطعی تباہ و برباد کر دے گی۔

اس تہہ در تہہ عذاب و تکلیف کا سامنا کرتے ہوئے ان میں ہر ایک تنہا اور ایک دوسرے کا دشمن ہو گا۔ وہ مستقل ایک دوسرے پر الزام تراشی کریں گے۔ اُن کا مجنونانہ طور پر شور و غل مچانا، گڑگڑانا بھیک مانگنا اور آہ و بکا کرنا ایک بہرہ کر دینے والی پکار میں تبدیل ہو جائے گا۔

ایسا لگے گا کہ اس عذاب میں مبتلا افراد شاید کسی اور قسم کی مخلوق ہیں مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہو گا یہ وہی لوگ ہوں گے جو کبھی زمین پر بستے تھے اور جنہیں شاید آپ نے گلیوں میں چلتے پھرتے دیکھا ہو گا ان میں سے کچھ کو ہو سکتا ہے آپ ذاتی طور پر پہچانتے ہوں کچھ بھی بدلا نہ ہو گا سوائے اس کے کہ وہ وقت آپہنچے گا جس سے وہ ہمیشہ انکار کرتے آئے تھے اور موت کے فرشتوں نے ان کی روحیں قبض کر لی ہونگی اور وہ اپنے گناہوں کے لیے جوابدہ ہوں گے اللہ کی مخلوق میں صرف سچے اہلِ ایمان ہی ہیں جو اُس اللہ کی عظیم تنبیہات سے حقیقی طور پر آگاہ ہیں اور جن کی حالت خوف اور اُمید پر مبنی ہوتی ہے۔

ترجمہ: ''رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتے رہتے ہیں کہ اے میرے ربّ! دور فرما دے ہم سے عذابِ جہنم بیشک اس کا عذاب بڑا مہلک ہے۔'' (سورۃ الفرقان۔ آیت: ۶۵)

وہ اللہ کی رضا اور محبت کھونے سے ڈرتے ہیں:

سچے مومن، جو اللہ سے سچا اور دلی پیار کرتے ہیں۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس پیار کی حقیقی روح دراصل اللہ کا دلی اور گہرا خوف رکھنا ہے جو احترام سے بھرپور ہو حقیقی مومن، جنہوں نے اللہ سے پیار کرنے کی ناقابلِ بیان روحانی خوشی کو محسوس کیا ہے، وہ ہر لمحہ کوئی بھی ایسی غلطی یا خطا ہو جانے سے خوفزدہ رہتے ہیں جو اس پیار کو خطرے میں ڈالنے کا سبب بن جائے گا یا اس سے بھی بڑھ کر ان کی سب سے عزیز ترین ہستی یعنی اللہ کی ناراضگی یا غضب کا موجب بن جائے۔ (جاری ہے)

جماعت اوراس کے مقاصد کا حصول

(ماجد محمود توحیدی)

اللہ تعالٰی نے انسان کو معاشرتی صفات کا مالک بنایا ہے۔انسان مل جل کر رہنا اور کام کرنا پسند کرتا ہے ۔یہی وجہ ہے کہ شعوری بلوغت کے ساتھ ہی انسان نے اکٹھے رہنا اور باہم اشتراک سے کام کرنا سیکھ لیا۔آج بھی دنیا میں بہت سے انسان مل جل کر مختلف نوعیت کے کام سرانجام دے رہے ہیں۔بہت سے لوگ جب اکٹھے کسی ایک ہی مقصد کے تحت کام کرتے ہیں تو وہ جماعت کہلاتے ہیں۔مل جل کر کام کرنے سے اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ساتھ شامل ہوجاتی ہیں اور کام کی تکمیل میں سہولت رہتی ہے۔نبی مکرم ﷺ کا فرمان ہے۔:"اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے"۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف سوچ وفکر رکھنے والے افراد کا گروہ کیونکر جماعت بن جاتا ہے۔اس گروہ کے تمام افراد میں کیا صفات ہوں کہ وہ واقعی ایک جماعت بن کر اپنے مقصد کو حاصل کرلے۔

نظریہ اور مقاصد کا واضح ہونا:

جماعت کے تمام افراد پر ان کا نظریہ اور مقصد واضح ہونا بہت ضروری ہے۔اس کے بغیر اس جماعت کو منزل ملنا بہت دشوار ہو جاتا ہے اور ان کی ساری سعی بے کار محض ہو جائیگی۔ کیونکہ انہوں نے سمت متعین کیے بغیر تگ و دو کی۔لاہور جانے والے مسافر کا رُخ لاہور ہی کی طرف ہو اور راستہ ہموار اور سیدھا ہو تو وہ اپنی منزل پر پہنچے گا۔اور اسلام آباد جانے والے مسافر کا رُخ اسلام آباد کی طرف ہو تو وہ اسلام آباد پہنچے گا۔اگر وہ اصل راستہ کی بجائے اِدھر اُدھر گھومتے رہیں گے تو وہ اپنی منزل کو گنوا بیٹھیں گے۔بالکل اسی طرح جماعت کے افراد پر جتنا زیادہ ان کے مقاصد واضح ہونگے اور ہمیشہ پیش نظر رہیں گے اتنا ہی وہ جماعت اپنے مقاصد کے حصول میں کامیاب رہے گی۔

نظریہ کے ساتھ وابستگی: کوئی بھی جماعت اس وقت تک مضبوط اور مستحکم جماعت نہیں بن سکتی،

جب تک اس جماعت کا ہر فرد اپنے نظریہ پر سو فیصد کاربند نہ ہو۔ اپنی ذاتی خواہشات و ترجیحات کو پس پشت ڈال کر جماعت کے نظریہ کو پیش نظر نہیں رکھے گا۔ اس پر عامل نہیں ہو گا۔ ایسی جماعت اپنے مقاصد کے حصول میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں کر سکتی۔

نبی مکرم ﷺ کے دور اور آپ ﷺ کے صحابہ کبارؓ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ آپ ﷺ کا ہر صحابی اپنی جماعت کے نظریہ یعنی اللہ کی وحدانیت اور حاکمیت کے ساتھ مضبوطی سے جڑا ہوا تھا۔ اس نظریے کے سامنے ان کی اپنی ذات، خواہشات، گھر، بیوی، بچے سب کچھ ہیچ تھا۔ ان کے سامنے یہ نظریہ سب سے مقدم تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جماعت نہایت مختصر مدت میں عظیم کامیابی سے ہمکنار ہوئی اور انہوں نے اپنا نظریہ تقریباً آدھی دنیا میں قائم کر دیا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ بھی فرماتے ہیں:

ترجمہ: آپ ﷺ! فرما دیجیے کہ اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہارے شریک حیات، تمہارے رشتہ دار، اور تمہارے مال جن کی کمی کا تمہیں ڈر ہے، اور تمہارا کاروبار جس میں تمہیں نقصان کا ڈر ہے، اور تمہارے گھر جس میں تم رہتے ہو، تمہیں اللہ، اللہ کے رسول اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ سنا دے، اور اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا''۔

سب سے بڑھ کر ہمیں وہ نظریہ، وہ کام عزیز ہونا چاہیے جو ہمیں باہم آپس میں جوڑے ہوئے ہے۔ نظریہ پر عمل کی کمزوری کا مطلب جماعت کی کمزوری اور جماعت کی کمزوری کا مطلب اپنے مقاصد کے حصول میں ناکامی ہے۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ بھی ایک مکمل جماعت ہے جس کے مقاصد بانی سلسلہ قبلہ انصاری صاحبؒ نے ہم پر بالکل واضح فرما دیے ہیں۔ اس جماعت کا بڑا مقصد معاشرے کی اصلاح اور اسے نبی مکرم ﷺ کے دین کے مطابق ڈھال کر اللہ کی حاکیت قائم کرنا ہے۔

اس جماعت کا مقصد شخصیت پرستی سے نجات دلا کر تمام مسلمانوں کو اللہ کی بندگی کے حصار میں لانا ،مسلمانوں میں کامل ایمان پیدا کرتے ہوئے درجہ احسان تک پہنچانا ہے تا کہ معاشرہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اللہ کی دی ہوئی دنیوی اور اُخروی نعمتوں سے بہرہ ور ہو سکے ۔اس تعلیم کا مقصد تمام انسانوں کو مختلف غلامیوں سے نجات دلا کر پوری انسانیت کو اللہ کی غلامی میں لانا ہے۔

مقاصد واضح ہونے کے بعد دوسری بات مقاصد کے حصول کے لیے اخلاص کے ساتھ بھر پور کوشش ہے۔ہم میں سے ہر ایک نے انھی مقاصد کے حصول کے لیے کوشش کرنی ہے۔ کامیابی کے لیے ہمارے تمام کاموں میں ہماری اوّلین ترجیح اسی مقصد کا ہونا ضروری ہے۔

دوسرے لوگوں تک اپنی تعلیم اور فکر پہنچانا ،دعوتی لٹریچر دوسرے لوگوں خصوصاً آس پاس ،اپنے عزیز و اقارب ، دوست احباب میں تقسیم کرنا ،اپنے گھروں اور پھر اپنے خاندان میں توحیدی رنگ پروان چڑھانا ،جماعت کے مقاصد کے حصول کے ذرائع ہیں۔

میرے خیال میں بانی سلسلہؒ نے سلسلہ کی ترویج و اشاعت کے لیے جو ہمیں فارمولا دیا ہے اس سے بہتر کوئی فارمولا نہیں ہوسکتا کہ ہر بھائی ہر سال ایک نئے بھائی کو سلسلہ سے متعارف کرائے ۔اس کے لیے ہمیں سب سے پہلے اپنا کردار مثالی بنانا ہوگا۔سراپا پیار ومحبت بننا ہوگا۔اس کے بعد خلوص ، پیار اور حکمت سے اپنی تعلیم دوسروں تک پہنچائیں۔اللہ کی یاد سے ملنے والی روحانی طاقت استعمال کریں قلبی طاقت صرف کریں اور اللہ سے دعا بھی کریں تو اللہ ضرور کامیابی دیتا ہے ۔جتنا عظیم مقصد ہوتا ہے اس کے لیے محنت و مشقت بھی اس قدر درکار ہوتی ہے۔نبی مکرم ﷺ کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ کیسے انھوں نے اپنی داعیانہ ذمہ داریوں کو اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دن رات کا خیال کیے بغیر پورا کیا۔آپ ﷺ کا وہ فرمان کتنا ایمان افروز ہے جو آپ ﷺ نے اپنے چچا سے فرمایا! کہ اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں تو بھی میں اپنے مقصد سے پیچھے نہیں ہٹوں گا۔انقلاب لانے کیلئے زندگیاں وقف کرنا پڑتی ہیں تبھی جا کر ظلمتوں میں سے نور کی کرنیں پھوٹتی ہیں۔

محنت و محنت کش

(حکیم محمد سعیدؒ)

آج جب محنت اور محنت کشوں سے محبت کی بات ہوتی ہےتو ایک خاص طبقے کا تصور اُبھرتا ہے کہ محنت کش صرف وہ ہے جو اپنے دست و بازو سے اجرت پر کام کرتا ہے۔ پھر اس طبقے میں مزید تخصیص یہ کی جاتی ہے کہ محنت کش کی تعریف کا مستحق بننے کے لیے ضروری ہے کہ کام کرنے والا کارخانوں کا مزدور ہو یا کھیتوں کا کسان ہو۔ یہ طبقاتی تقسیم اور یہ دائرہ تخصیص دراصل ایک ایسی فکر کا شاہکار ہے جو معاشی عدل کے نام پر انسانی برادری میں باہمی نفرت و بغض کی آگ بھڑکاتا ہے۔ یہ اس تاریخی کشمکش کا نتیجہ ہے جو شروع میں سرمایہ و محنت کے درمیان مغرب میں صنعتی انقلاب کی ایک خصوصیت کے طور پر سامنے آیا ہے' لیکن جسے بعد ازاں اشتراکی مفکرین نے ہر ممکن طریقے سے ہوا دی۔ یورپ کی نشاۃ ثانیہ نے اندلس کی تہذیبی لہروں سے سیراب ہو کر انسان دوستی کی بعض عظیم روایات کو فروغ دیا' لیکن جلد ہی صنعتی انقلاب کی شقاوت زر نے اس میں رخنہ ڈال دیا۔ نئے نئے کارخانوں میں جلد سے جلد اور زیادہ سے زیادہ منافع خوری کی ہوس کے تحت مردوں' عورتوں اور بچوں تک سے سولہ سولہ گھنٹے کام لے کر ان کی صحت اور ان کی سماجی تکریم کا ستیاناس کر دیا گیا۔

اس سے سرمایہ داری کے خلاف نفرت پیدا ہوئی جسے اشتراکی مفکرین بالخصوص مارکس نے اپنے فلسفے کے ذریعے سے ایک خونی انقلاب کا موثر ہتھیار بنا دیا۔ سرمایہ و محنت کے درمیان محاذ آرائی فطری اور لازمی ہرگز نہ تھی اور جیسا کہ کئی ممالک میں فلاحی ریاست کے تصور نے ثابت کر دیا' ان میں ایک پرامن تعاون کی بنیادیں استوار ہو سکتی تھیں' لیکن مارکس نے اصلاح کی جگہ انتقام' امن کی جگہ جنگ اور تعاون کی جگہ تخریب کی راہیں اپنا کر محنت کشوں کو محبت کا نہیں' عداوت

کا پیامبر بنا دیا۔انسانی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک مستقل نظریے کی بدولت انسان کو انسان سے لڑانے اور فساد فی الارض میں منہمک کرنے کا کردار ایک عظیم مقصد کے طور پر پیش کیا گیا۔ شرف انسانی کی یہ انوکھی تذلیل تھی اور اس میں محنت کشوں سے محبت کا کوئی نام ونشان تک نہ تھا۔ اس نظریۂ نفرت کو پیش کرنے والوں کی نیت کا اس سے بھی پتا چلتا ہے کہ انھوں نے اپنی توجہ کا مرکز ٹھیک ان محنت کشوں کو بنایا جو جماعت سازی کر کے ٹریڈ یونین بنا کر ''جلاؤ گھیراؤ'' کا سامان کر سکتے تھے۔ کارخانوں سے باہر کے ان فاقہ کش مزدوروں کے لیے ان کے دل ودماغ میں محبت کی کوئی رمق نہ تھی جو الگ تھلگ تھے اور جتھابندی نہیں کر سکتے تھے۔

اسلام میں محنت کا تصور جسمانی مزدوری تک محدود نہیں اور محنت کش صرف وہ نہیں جو دست بازو سے مشینی کارخانوں اور کھیتوں میں کام کرے۔اسلام کے تمام بنیادی تصورات عالمگیر ہیں اور ان کے باہمی انحصار کو ان کی صحیح فہم وادراک کیلئے پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ اسلام کے نظریہ محنت کے نمایاں نکات یہ ہیں:

۱۔انسانوں کو مشقت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

۲۔تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

۳۔انسان اس زمین پر خالق کائنات کا نائب ہے۔

۴۔انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ سعی کرتا ہے۔

۵۔اللہ کے نزدیک انسان صرف مقدور بھر مکلّف ہے۔

۶۔انسانوں کی شعوب وقبائل میں تقسیم صرف پہچان اور شناخت کے لیے ہے۔
جہاں تک عزت وتکریم کا تعلق ہے اس کی بنیاد صرف تقویٰ اور حسن کردار ہے۔

۷۔رنگ، نسل، زبان اور ملک کا فرق اصل شرف انسانی میں کوئی فرق پیدا نہیں کرتا۔

۸۔اکل وشرب اور بود وباش میں حلال وحرام کی حدود کی پابندی سب کے لیے یکساں طور پر لازمی ہے۔

۹۔سود سے انتہائی سختی کے ساتھ پرہیز ضروری ہے۔

۱۰۔فضول خرچ شیطان کے بھائی ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کا شمار نیک اور بامراد بندوں میں ہوتا ہے۔

۱۱۔اس چندروزہ زندگی کے بعد دائمی زندگی میں اجر ومرتبے کی تحصیل وتقسیم کیلئے انمول مہلتِ عمل ہے۔

۱۲۔نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو اور سرکشی اور گناہ میں عدم تعاون سے کام لو۔

۱۳۔تمام امور میں عدل وانصاف کی پابندی کی جائے'اتنی پابندی کہ دشمن تک کو اس پر کوئی شکایت کا موقع نہ ملے۔

۱۴۔آپس کے تعلقات میں محض حقوق پر نظر جمانے کے بجائے فضیلت کے سلوک کا لحاظ رکھو۔

۱۵۔مال ودولت میں انسان کو جو کچھ ملتا ہے'وہ ان سب کا امین ہے'مالک نہیں۔

اسلام کے ان عالم گیر اصولوں سے صاف پتا چلتا ہے کہ ایک وسیع' جامع' عادلانہ اور کائناتی فریم میں محنت کشوں کو محبت کا کتنا بلند مقام حاصل ہے۔ان کے علاوہ رسول اکرم ﷺ کے متعدد ارشادات گرامی سے محنت کشوں سے سلوک اور عدل ومحبت اور ان کی ذمہ داریوں کی وضاحت ہوتی ہے۔فرمایا:

''تمہارے ملازم تمہارے بھائی ہیں۔تمہارے خدام کو اللہ نے تمہارے ماتحت کردیا ہے۔پس لازم ہے کہ جو کوئی اپنے بھائی کو ملازم رکھے'اپنی طرح اسے کھلائے اور اپنی طرح اسے پہنائے۔ان پر ان کی طاقت وصلاحیت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے اور اگر اتنا بوجھ ان پر ڈال ہی دیا گیا ہو تو پھر ان کا ہاتھ بٹانا تمہارا فرض ہے۔''(بخاری شریف: جلد اوّل)

آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''مزدور کی اُجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دی جائے۔''(بیہقی)

ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

ترجمہ: ''ان کا خیال رکھو جن کا انحصار تم پر ہے۔ان سے نرمی کے ساتھ پیش آؤ''(کنزالاعمال)

آپ ﷺ نے یہ بھی تنبیہہ فرمائی:

ترجمہ: ''وہ آقا جو اپنے ملازم سے بدسلوکی کرتا ہے' جنت میں کبھی داخل نہیں ہوگا۔''

(مجمع الزوائد' جلد چہارم' صفحہ ۲۳۶)

توحیدِ الٰہی کے تحت استوار ہونے والے اسلامی نظامِ حیات میں محنت کشوں کا مقام جتنا بلند ہے' انسانوں کا خودساختہ کوئی نظام اس کی گرد کو بھی نہیں پا سکتا۔سرمایہ دار مغرب میں فلاحی ریاست کے تصور کے تحت مزدوروں کی وہ ہلاکت آفرینی تو ختم ہوگئی جو صنعتی انقلاب شروع شروع میں اپنے ساتھ لایا تھا' لیکن وہ ان کے لیے اس عظیم مقام عدل و محبت کا تصور کہاں سے لاتا جس کا کوئی تصور اس کے نظامِ فکر و عمل میں سرے سے نہیں ہے۔رہی اشتراکیت تو اس میں بلند بانگ دعوے اور نفرتوں میں پلی ہوئی انسانیت سوزی اور مزدور کشی تو ضرور ہے' لیکن عدل و محبت کی جنس رفیع سے وہ سراسر خالی ہے۔انسانوں اور محبت کشوں کو یہ نعمت اگر مل سکتی ہے تو صرف اسلام کے دامن میں مل سکتی ہے۔ارمغانِ حجاز میں اقبالؒ نے اپنی ایک خوبصورت نظم میں ''شیطان کی مجلسِ شوریٰ'' کا نقشہ کھینچا ہے۔سب چھوٹے چھوٹے شیاطین جب انسان کو عظمتوں سے محروم رکھنے کی اپنی اپنی ترکیب بتا چکے تو ابلیس نے تذلیلِ آدم کے اپنے مشن کے لیے جس حقیقی خطرے کی نشاندہی کی' اُسے اسی کے الفاظ میں اقبالؒ نے اس طرح بیان کیا ہے:

الحذر آئین پیغمبر سے' سو بار الحذر
حافظ ناموسِ زن' مرد آزما' مرد آفریں
موت کا پیغام ہر نو غلامی کے لیے
نے کوئی مغفور و خاقاں' نے فقیرِ رہ نشیں
کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک و صاف
منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
بادشاہوں کی نہیں' اللہ کی ہے یہ زمین!

اسلام کا نظریہ حیات اور نظریہ محنت جادو اثر تو ضرور ہے' لیکن یہ کوئی جادو ہرگز نہیں۔ ایسا نہیں کہ اس کے پیغام کے الفاظ کو زبان سے ادا کرنے پر انسانی زندگی میں کوئی انقلاب برپا ہو جائے گا۔ یہ شعور و ایمان کا تڑپتا ہوا ولولہ اور عمل کی پوری تفصیل کا سراپا ہے۔ اسے دیانت و امانت اور صحت و محنت کے ساتھ سمجھنے اور برتنے سے زندگی بدلتی ہے۔ نئے رشتے بنتے ہیں۔ انسانوں کے گوناگوں باہمی تعلقات میں پاکیزگی' ایثار اور محبت پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح فرد معاشرے کے تشخص پر ایک نئی بہار آتی ہے۔ اس نعمت عالی کی امید کی جاسکتی ہے۔ مسلمان کے لیے نا اُمیدی کفر ہے۔ میں آٹھ دس سال سے کوشاں رہا ہوں کہ پاکستان کے قیام کی یاد میں ۱۴ اگست کے بجائے ۲۷ رمضان المبارک کے حوالے سے منانی چاہیے جو نزول قرآن اور اسلام کی لازوال برکتوں اور رحمتوں کے آغاز کی گھڑی تھی۔ قیام پاکستان کی یہ گھڑی دراصل مشیت الٰہی کی طرف سے ہماری ملی تقدیر نو کی علامت بن کر آئی' لیکن ہم ہیں کہ ہم نے اب تک اس علامت کو اپنانے سے انکار کیا ہے۔ تاریخ ہمارے اس حوصلے پر یقیناً ہنسے گی کہ ہم نے اپنی علامت سے تو منہ موڑ لیا اور یکم مئی کی اس علامت کو بڑھ کر سینے سے لگا لیا جو ''یوم مزدور'' کے طور پر عالمگیر سوشلزم' کمیونزم نے اپنا رکھی ہے۔

ہم نے جو کچھ اس ملک میں کر رکھا ہے وہ کئی اعتبار سے اسلام سے بُعد و بیگانگی کا مظہر ہے۔ محنت کے میدان میں تقریباً تمام تر اُمور کی یہی کیفیت ہے۔ اگر ہم محنت کے اسلامی تصور سے اور محنت کشوں سے کچھ بھی محبت رکھتے تو آج آپ کو کوچہ و بازار میں گداگری کی فوج' مزاروں پر صحت فکر و عمل سے عاری طفیلیوں کا اژدہام اور جا بجا منشیات میں مستغرق لوگوں کی بھیڑ نظر نہ آتی۔ رقص و سرور کے رسیا' فیشن اور فضول خرچی کے دلدادہ' ہوسِ زر کے قطار اندر قطار مریض' چوری' ڈاکہ اور قتل انسان کے مرتکب اس کثرت سے دندناتے نہ پھرتے۔

مسلمان کی حیثیت سے نا اُمیدی میری سرشت میں نہیں ہے۔ میں ''شام ہمدرد'' کے اس پلیٹ فارم سے اعلان کرتا ہوں کہ اسلامیات پاکستان اور مسلمانانِ عالم کے لیے ہی نہیں' بلکہ پوری نوعِ انسانی کے لیے محنت کی عظمت کا دن وہ دن ہے جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد قباء کی تعمیر میں صحابہ کرامؓ کے شانہ بشانہ اپنے دست مبارک سے حصہ لیا۔ وہ دن ۸ ربیع الاوّل سنہ ۱ھ کا دن تھا۔

آیئے! ہم عہد کریں کہ آئندہ صرف اسی دن ''یوم محنت کشاں'' منائیں گے۔ ہمارا نعرہ ہوگا:

''محنت اور محنت کشوں سے محبت ـــــــــــــ رسول ﷺ کی سنت''۔

معاشرے میں فساد کیوں ہوتا ہے

(ڈاکٹر شمس الحق)

جب عقل کا کنٹرول انسانی جذبات پر نہیں ہوتا تو پھر جذبات انسانی اپنے حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں تو نتیجہ میں فساد پیدا ہوتا ہے۔انسان کو مفکرین ایک سماجی حیوان قرار دیتے ہیں انسان کے ہر فعل میں اور ہر خواہش میں اشتراک پایا جاتا ہے۔ہر ایک مشکل کام میں دوسرے انسان کی مدد کرنا اور اپنی مدد کرانا چاہتا ہے وہ جس کام کو اکیلا سر انجام نہیں دے سکتا تو اس کی تکمیل کے لئے اپنی توجہ دوسروں کی طرف مبذول کرتا ہے اور یہ ایک سماجی کلیہ بن چکا ہے کہ ہر آدمی دوسرے آدمی کی معاونت کرنا عین انسانیت کا تقاضا سمجھتا ہے۔ہر گرتے ہوئے انسان کو سنبھالنا اور سہارا دینا یا ہر دکھی کو اس کے دکھ اور تکلیف سے نجات دلانا کمزور کی مدد کرنا اور محتاج کی دستگیری کرنا فطرت انسانی کے تقاضے ہیں۔انسان کی انہی خصوصیات اور جذبات کی وجہ سے دوسرے انسان کے حقوق اور اختیارات کا تعین کرنا انسانیت اور سماج کے فرائض میں شامل ہے۔اور پھر جب بعض اوقات وہ اپنے اور دوسرے کے حقوق کا غلط موازنہ کرتا ہے تو معاشرہ میں فساد پیدا ہو جاتا ہے اور پھر معاشرہ اسی فساد کو جرم کے نام سے پکارتا ہے۔معاشرہ کوئی خاص جماعت یا پارٹی کا نام نہیں بلکہ اصطلاحی معنوں میں عوام کے خیالات مقررہ مروجہ کا نام ہی معاشرہ کہلاتا ہے۔یہ خیالات چند کلیات پر مشتمل ہیں یہ ایک احساسی کیفیت ہوتی ہے انسان کے ان احساسات اور کیفیات نے جب اکتاہٹ محسوس کی تو اس کے نتیجہ میں ایک جمہوری طریقہ حکومت کی بنیاد پڑ گئی جس نے عوام کو یہ کہہ کر تسکین دلادی کہ ہر آدمی بغیر کسی انسان کو ضرر اور نقصان پہنچائے اپنے ہر قدم اور فعل میں آزاد ہے۔اسی آزادی کو پروان چڑھانے میں جمہوری حکومتیں (عوام کی حکومت عوام پر)جدید دنیا میں انتخاب کا فارمولا اپنائے ہوئے ہیں۔اس طریقہ حکمرانی میں معاشرہ میں

امن وامان قائم رکھنا یقیناً کامیاب عمل ہوسکتا ہے۔مگر یہ بات بھی مسلمہ حیثیت اختیار کر چکی ہے کہ جو سوسائٹی کا حصہ بنتا ہے،اس کے کردار کی نقالی معاشرہ میں سرایت کر جاتی ہے اور پھر اسی نقالی کو اپنانے کی وجہ سے قوموں اور معاشرے میں فساد کی سی کیفیت پیدا ہوتی ہے اسی غیر متوازن کیفیت اور متلون جذبات نے انسان کو انسانیت کی منزل سے گرا دیا اور نتیجہ میں افراد اور معاشرہ کے درمیان اعصابی جنگ کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ہر ایک نے معاشرہ کے معینہ اصولوں اور کلیات سے روگردانی شروع کر دی۔سوسائٹی نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ۔بجائے اپنی اصلاح کرنے کے انتقام کو اپنایا،اس نے ظالم اور مظلوم کے درمیانی وجہ کو جاننے کی کوشش نہ کی اس نے وجوہات معلوم کرنے کی تحقیق نہ کی بلکہ سرسری نظروں سے دیکھ کر چشم پوشی کا وطیرہ اختیار کر لیا۔ یہ اس لئے کہ وہ عوام کے خیالات کی ترجمانی نہ تھی بلکہ چند برسر اقتدار افراد کی مفاد کی محافظ تھی اور اسی جذبہ کے تحت اس نے سدباب جرم وفساد کا بندوبست نہ کیا حدود کی تجاوزات سے چشم پوشی کی ان صاحب اقتدار لوگوں کی اسی بے اعتنائی کی روش نے لوگوں کی نظر احترام سے ان کو گرا دیا پورے معاشرہ میں جرائم کے جراثیم پھیل گئے۔قانون کا احترام اور خوف ختم ہو گیا۔قاتل کو بہادر،ڈاکو کو دلیر،قصوروار کو ضدی اور ہٹ دھرم کو محترم سمجھا جانے لگا۔ہر محفل میں قاتلوں کی بہادری اور ڈاکوؤں کی دلیری بطور مثال پیش ہونے لگی۔بلکہ ایسے جرائم پر فلمیں اور ڈرامے بنا کر عوام کے ذہنوں کو تفریح کے حسین لبادہ میں پراگندہ کرنے کی کوشش کی جانے لگی۔درحقیقت یہی معاشرہ اور سوسائٹی کے خلاف ایک اعصابی جنگ ہے جو کہ خوف سے بے بہرہ برسر اقتدار جمہوریت کے نام پر خودساختہ،بلاتحقیق،کلیات قواعد وضوابط اپنی خواہشات ومفاد کے لئے بنا کر عوام سے عمل درآمد کرانے پر اصرار کرتے ہیں مگر پھر خود ان ہی قوانین کی دھجیاں فضاء میں اڑا دیتے ہیں۔

حسن ترتیب کا فقدان

مسلمان کی زندگی ترتیب بلکہ حسن ترتیب کا ہی دوسرا نام ہے۔لیکن کبھی کبھی یہ ترتیب اپنے آپ سے باہر ہو جاتی ہے ہر طرف کناروں کے اندر خاموش بہنے والا دریا کبھی نہ کبھی اپنے

آپ سے باہر ہوجاتا ہے جیسے سیلابوں کے آنے سے صورت حال پیدا ہوتی ہے ۔ بے ترتیبی عناصر کے پریشان ہونے کا ایک مظاہرہ ہوتا ہے اور ایک وارننگ بھی ہوتی ہے کہ محفل احباب ہمیشہ ترتیب میں قائم نہیں رہتی ۔ انسان بیٹھے بیٹھے اپنی ہی نگاہوں میں بدل سا جاتا ہے روتے روتے ہنس پڑتا ہے اور ہنستے ہنستے ہی بعض اوقات رو پڑتا ہے جب خیال کی بندش ٹوٹ جاتی ہے تو پھر عمل کی ترتیب بھی قائم نہیں رہ سکتی۔

انسان غور کرتا ہے کہ ہماری عبادتیں اور ریاضت اور دعائیں اتنی بااثر نہیں ہوتیں جتنی ہم سے پہلے لوگوں کی ہوتی تھیں ۔ حالانکہ گزشتہ زمانوں کے حالات اتنے خوش گوار بھی نہیں ہوتے تھے جتنے آج کل ہیں ۔ آج ایک معمولی سا کارخانہ دار، ایک چھوٹا سا سرمایہ دار بھی اپنے پاس اتنی دولت رکھتا ہے کہ شائد کسی مغل بادشاہ کے تصور میں بھی نہ ہو، ان لوگوں کی زندگی خوش گوار تھی ۔ حالانکہ ان کے پاس نہ گاڑیاں تھیں سفر کیلئے اور نہ ہی ہوائی جہاز، بجلی کا پنکھا کی سہولت جیسے اسباب ہوا کرتے تھے پھر بھی بڑی خوش گوار زندگی گزارتے تھے ۔ آج ہر آدمی کو بے شمار سہولتیں میسر ہیں، مگر دل بجھا ہوا ہے شاید زندگی کی بے ترتیبی میں پھنس چکا ہے ۔ ہر چیز نقلی اور سطحی ہوتی جارہی ہے کسی زمانے میں کہیں سے درد کی فریاد اٹھتی تھی تو سارے زمانے میں احساس کی ایک لہر دوڑ جاتی آج لوگ گھر سے بے گھر ہوجاتے ہیں ۔ سیلابوں اور طوفانوں میں تباہ ہوجاتے ہیں لیکن بعض کی عیاشیوں کی رفتار میں فرق نہیں پڑتا بلکہ بعض اوقات مصیبت زدہ لوگوں کے لئے غیر ملکی امداد پر بھی ہاتھ صاف کرنے سے دریغ نہیں کرتے ۔ کل تک بیٹیوں کی شادی اور رخصت کرنے کا منظر ایک درد کا سماں ہوا کرتا تھا ماں، بیٹی جب ملتے تو کہتے ہیں کہ آسماں کے کنگر ہل جاتے تھے لیکن آج کسی پر کسی کا اثر نہیں پڑتا ، دلہن رخصتی کے وقت رو بھی نہیں سکتی اسے پتہ ہے کہ رونے سے اس کا سینکڑوں روپے کے خرچ سے کیا گیا میک اپ اور سنگھار خراب ہوجائے گا ۔ بلکہ ایک نقلی چہرہ اصلی چہرے پر چڑھا دیا جاتا ہے ۔ بے ترتیبی ہی کا اثر ہے کہ خلوص، وفا، اور استقامت یارانے اور دشمنیاں سب بدل چکے ہیں ۔ مسجدیں بڑھتی جاتی ہیں لاکھوں اور کروڑوں

روپیہ ان کے نقش ونگاراور انتظامات پر خرچ کر دیا جاتا ہے مسجدوں کے گنبداور مینار بھی پر خلوص انداز میں بنتے جا رہے ہیں، قالین بچھائے جاتے ہیں، ہر قسم کے موسم کے مطابق پانی مہیا کر دیا جاتا ہے، تبلیغ کی غرض سے لاؤڈ سپیکروں کا شور ہے۔ مسلمان مسلمان کو مسلمان ہونے کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ جس کی طبیعت چاہے کھڑا ہو جاتا ہے رٹی رٹائی ایک تقریر دے مارتا ہے گھنٹوں لوگوں کو بٹھائے رکھتا ہے اور سامعین ہیں بے بسی میں نیند آنے کی وجہ سے بار بار وضو کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ زندگی کسی اور رخ پر جا رہی ہے اور تقریر کسی اور رخ پر، اور اس کی وجہ محض یہ ہوتی ہے کہ مقرر کو خود اپنے خیالات کا یقین نہیں ہوتا ہمیں بتایا جاتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی زندگی نہایت سادہ تھی آپ ﷺ کا بستر کھجور کی چٹائی کا تھا اور لباس مبارک میں کئی پیوند لگے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ سب انسانوں سے زیادہ اشرف معزز بنائے گئے تھے۔ مگر ہمارے مقرر حضرات اور خود ہمارے سامعین کی زندگی بود و باش باوجود کہ ہم حضور اکرم ﷺ کی پیروی کا دعویٰ کرتے ہیں یکسر مختلف ہوتی ہے۔ یہی بے ترتیبی ہے جس کے ہم شکار ہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے شادی اور غمی کی تقریبات کو نہایت سادگی سے منعقد کرنے کا حکم فرمایا اور ہم جو کہ اپنے آپکو ان کے اُمتی کہنے میں فخر کرتے ہیں مگر حضور ﷺ کے ارشادات کے خلاف بچوں کی شادیاں کر کے لاکھوں روپیہ کا اسراف کر جاتے ہیں۔ بڑے بڑے ہوٹلوں میں دعوتوں کا انتظام کر کے اپنے پیسہ کی خود نمائش کرتے ہیں اور غریب احساس محرومی میں مبتلا ہوتا ہے اسی طرح اگر کسی کے ہاں مرگ ہو جائے تو اس کے لئے بھی نمائش اور اسراف کر کے رسومات کو مذہب کا لازمی فریضہ سمجھ کر رواج دیا جاتا ہے۔ زندگی کا ہر شعبہ بے ترتیبی کا شکار ہو چکا ہے۔ کسی زمانہ میں اساتذہ کردار ساز ہوتے تھے بچوں میں عظیم کردار پیدا کرتے، روحانیت کا درس دیتے اور زندگی کے حقائق سے آشنا کرتے تھے۔ اور آج ہماری درس گاہیں اسلامی اقدار اور اسلاف کے کردار چھوڑ کر کچھ اور قسم کے انسان تیار کرنے میں مصروف ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اسلام پھیلے اور اس کا بول بالا ہو۔ مگر ہم اپنے بچوں کو بڑے فخر سے انگریزی سکولوں اور کالجوں میں

پڑھاتے ہیں۔جہاں ابتدائی سلیبس سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک کسی درجہ میں اسلامی معاشرہ کے قائم کرنے کا کوئی سبق اور درس کا انتظام نہیں ہوتا۔ہم ہر مجلس میں رحمدلی کا سبق یاد دلاتے ہیں مگر خود کسی پر رحم نہیں کرتے۔ہم اپنی زندگی اس بے ترتیبی میں گزارنے میں مدہوش ہیں۔کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہم پھر سے ایک وحدت میں پرو دیئے جائیں۔کیا ہمارے معزز تمام علماء کرام اور مشائخ عظام صرف دین کیلئے ہی اکٹھے ہو جائیں۔فروعی مسائل میں نہ خود الجھیں اور نہ قوم کو مبتلا کریں۔اگر ان کی بے ترتیب زندگی بدل جائے اور ایک عملی، باکردار انسان بن جائیں تو پھر ان کی تقلید میں بہتوں کا بھلا ہوسکتا ہے۔عوام تو ان علماء کرام کے ارشادات پر آنکھیں بند کر کے چلنے پر تیار ہوجاتے ہیں مگر ان کی اپنی بے ترتیب زندگی کو دیکھتے ہیں تو اپنا نظریہ زندگی بدل دیتے ہیں علماء کرام اور مشائخ عظام جو کہ حضور اکرم ﷺ کے پیغام کے داعی ہیں ان کیلئے تو بہت آسان ہے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کے طرز زندگی کو اپنا کر چلیں تو پھر عوام بھی ان کو دیکھ کر اپنی زندگیوں میں تبدیلی لانے پر تیار ہو جائیں گے۔

دیکھئے! چھوٹا بچہ جو معاملات کی حکمت کو نہیں سمجھتا اسے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کون سا کام برا ہے کس میں فائدہ ہے اور کس کام میں نقصان اس کی نظروں میں صرف اپنے باپ کی وقعت ہوتی ہے اسلئے جو کچھ باپ کرتا ہے اسے کرنا باعث فخر سمجھتا ہے، باپ جو کہہ دے اس کے لئے وہ حرف آخر ہے اس پر وہ ضرور عمل کرتا ہے اور عمل کر کے خوش بھی ہوتا ہے۔اسی تمثیل کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر علماء کرام کے دل میں جناب رسالت مآب ﷺ کی عظمت اور توقیر ہے تو وہ آپ ﷺ کے فرمودات اور اسوہ کامل پر عمل کرنا اپنے لئے باعث فخر سمجھتے ہیں، تو اس بچہ کی مانند جو اپنے باپ کو اپنے لئے قابل تقلید اور خوشی سے اس کے نقل وحرکت پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے حضور اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ کی ترتیب، فرمودات، سنت اور اخلاق کا عظیم ذخیرہ جو قرآن وحدیث کی صورت میں ہمارے سامنے ہے اسی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا دیں، اسی میں کامیابی اور سرخروئی ہے۔عوام کے سامنے آپ کا کردار ہی زندگی میں ترتیب پیدا کرنے کا ذریعہ بنے گا۔

نبی اکرم ﷺ کا عملی نمونہ

(مرسلہ: فہد محمود بخاری)

نبی مکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا یہی باب سب سے بڑا اور ضخیم ہے۔اور یہی ایک معیار اس فیصلے کے لیے کافی ہے کہ نبیوں کا سردار اور رسولوں کا خاتم کون ہوسکتا ہے۔ مفید نصیحتوں، میٹھی میٹھی باتوں اور اچھی اچھی تعلیموں کی دنیا میں کمی نہیں۔کمی جس چیز کی ہے وہ کام اور عمل ہے۔موجودہ مذاہب کے شارعوں اور بانیوں کی سیرتوں کے تمام صفحے پڑھیں۔دلچسپ تھیوریاں ملیں گی، دل آویز حکایتیں ملیں گی، خطیبانہ بلند آہنگیاں ملیں گی۔تقریر کا زور و شور اور فصاحت و بلاغت کا جوش نظر آئے گا۔مؤثر حکایتیں تھوڑی دیر کے لیے خوش کردیں گی۔مگر جو چیز نہیں ملے گی وہ عملی کام ہے۔اپنے احکام و نصائح کو آپ نے کرکے دکھانا ہے۔

ترجمہ: (اے محمد ﷺ!) بے شک آپ تو بڑے (درجے کے) اخلاق پر (فائز) ہیں۔

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا سب سے روشن پہلو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے بحیثیت ایک پیغمبر کے اپنے پیرووں کو جو نصیحت فرمائی اس پر سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھادیا: "میں اس سے پہلے ایک عمر تم میں رہا ہوں کیا تم سمجھتے نہیں ہو"۔

یعنی حضور (ﷺ) تمہارے درمیان ایک زندگی گزار رہے ہیں۔کیا اس زندگی اور پاک نمونے کو دیکھ کر بھی تم یہ نہیں سمجھ سکتے کہ یہ شخص کیا راست باز، سچا اور امین ہے!!۔جو تمہارے معاملات میں خیانت نہیں کرتا، وہ خدا کے بارے میں یہ خیانت کیسے کرسکتا ہے؟ لیکن افسوس کہ تم عقل استعمال نہیں کرتے!!! عقل تو آپ کی صداقت کا ببانگ دُہل اعلان کررہی ہے۔

آپ ﷺ نے لوگوں کو اللہ کی یاد اور محبت کی نصیحت کی تو شب و روز میں کوئی لمحہ ایسا نہ تھا جب خدا کی یاد سے آپ ﷺ کا دل اور اس کے ذکر سے آپ ﷺ کی زبان غافل ہو۔اُٹھتے بیٹھتے

چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے، پہنتے اوڑھتے، ہر حالت میں اور ہر وقت خدا کا ذکر اور اس کی حمد زبان مبارک پر جاری رہتی تھی۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''آپ ﷺ ہر وقت اور ہر لمحے خدا کی یاد میں مصروف رہتے تھے''۔

آپ ﷺ نے لوگوں کو نماز کا حکم دیا مگر خود آپ ﷺ کا حال کیا تھا؟ عام پیروؤں کا تو پانچ وقتوں کی نماز کا حکم تھا، مگر خود آپ ﷺ آٹھ وقت نماز پڑھتے تھے۔ طلوع آفتاب کے بعد اشراق، کچھ اور دن چڑھنے پر چاشت، پھر ظہر، عصر، مغرب، عشا، پھر تہجد پھر صبح کی نماز ادا کرتے۔ اور نماز بھی کیسی کہ رات بھر اپنے رب کے حضور میں کھڑے ہیں حتیٰ کہ کھڑے کھڑے پاؤں مبارک میں ورم آ جاتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عرض کرتیں تھیں:

''اللہ نے تو آپ ﷺ کو ہر طرح معاف کر دیا ہے پھر اس قدر کیوں تکلیف اُٹھاتے ہیں! فرماتے: ''اے عائشہ! کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں! یعنی آپ ﷺ کی نماز نہ صرف خشیت الٰہی بلکہ محبت الٰہی کا منشا تھی۔ رکوع میں اتنی دیر جھکے رہتے کہ دیکھنے والے کہتے کہ شاید آپ ﷺ سجدہ کرنا بھول گئے۔

عام مسلمانوں پر سال میں تیس دن کے روزے فرض ہیں۔ جبکہ آپ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ کوئی ہفتہ اور کوئی مہینہ روزوں سے خالی نہیں جاتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ '' جب آپ ﷺ روزے رکھتے تو معلوم ہوتا کہ اب کبھی افطار نہ کریں گے۔'' آپ ﷺ نے مسلمانوں کو زیادہ روزہ رکھنے کی ممانعت فرمائی مگر خود آپ ﷺ کا یہ حال تھا کہ کبھی کبھی دو دو تین تین دن بغیر کھائے پیئے، متصل روزے رکھتے اور اس عرصے میں ایک دانہ بھی منہ میں نہ جاتا تھا۔

آپ ﷺ نے لوگوں کو زکوۃ وخیرات کا حکم دیا تو پہلے خود اس پر عمل کر کے دکھایا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شہادت مشہور ہے کہ: ''یا رسول اللہ ﷺ! آپ قرابت والوں کا حق پورا کرتے ہیں، مقروضوں کا قرض ادا کرتے ہیں۔ غریبوں کی مدد کرتے ہیں،

مہمانوں کی خاطر تواضع کرتے ہیں۔''ہمیشہ آپ ﷺ کا عمل یہ رہا کہ جو کچھ آتا سب خدا کی راہ میں خرچ کر دیتے۔حالانکہ غزوات اور فتوحات کی وجہ سے مال و اسباب کی کمی نہ تھی، مگر وہ سب غیروں کے لیے تھا۔اپنے لیے کچھ نہ تھا۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے۔اور سب سے زیادہ سخاوت آپ ﷺ رمضان المبارک میں فرماتے تھے۔تمام عمر کسی کے سوال کے جواب میں ''نہیں'' کا لفظ نہیں فرمایا۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رات کو میں آپ ﷺ کے ساتھ ایک راستے سے گزر رہا تھا راہ میں آپ ﷺ نے فرمایا:''ابو ذر! اگر اُحد کا یہ پہاڑ میرے لیے سونا ہو جائے تو میں یہ کبھی پسند نہیں کروں گا کہ تین راتیں گزر جائیں اور اس میں ایک دینار بھی میرے پاس رہ جائے، البتہ یہ کہ کسی قرض کے ادا کرنے کیلئے کچھ چھوڑ دوں۔''

یہ محمد رسول اللہ ﷺ کے خوش نما الفاظ ہی نہ تھے بلکہ عمل تھا۔ایک دفعہ عصر کی نماز کے بعد خلاف معمول فوراً اندر تشریف لے گئے اور باہر آ گئے۔لوگوں کو تعجب ہوا، فرمایا: ''مجھ کو نماز میں یاد آیا کہ سونے کا چھوٹا سا ٹکڑا گھر میں پڑا رہ گیا ہے، خیال ہوا ایسا نہ ہو کہ رات ہو جائے اور محمد ﷺ کے گھر میں پڑا رہ جائے!''اس سے بڑھ کر یہ کہ آپ ﷺ کے وصال کا وقت قریب تھا، بیماری کی سخت تکلیف اور بے چینی تھی۔لیکن اس وقت یاد آیا کہ کچھ اشرفیاں گھر میں پڑی ہیں حکم ہوتا ہے کہ انھیں خیرات کر دو۔کیا محمد ﷺ اپنے ربّ سے اس طرح ملے کہ اس کے پیچھے اس کے گھر میں اشرفیاں پڑی ہوں۔''

آپ ﷺ نے زہد و قناعت کیا تھا؟ آپ سن چکے ہیں کہ عرب کے گوشے گوشے سے جزیہ، خراج، عشر اور زکوٰۃ و صدقات کے خزانے لدے چلے آتے ہیں مگر امیر عرب کے گھر میں وہی فاقہ تھا۔حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کہا کرتی تھیں کہ حضور ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے مگر دو وقت بھی سیر ہو کر آپ ﷺ کو کھانا نصیب نہ ہوا۔جب آپ ﷺ نے وفات پائی تو گھر میں اس دن کے کھانے کے لیے تھوڑے سے جو کے سوا کچھ

موجود نہ تھا اور چند سیر جو کے بدلے آپ ﷺ کی زرّہ ایک یہودی کے ہاں رہن تھی۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ "فرزند آدم کو ان چیزوں کے سوا اور کسی چیز کا حق نہیں۔ رہنے کو ایک جھونپڑا، تن ڈھانکنے کو کپڑا، پیٹ بھرنے کو روکھی سوکھی روٹی اور پانی۔" یہ محض الفاظ کی خوش نما بندش نہ تھی بلکہ یہی آپ ﷺ کی طرز زندگی کا عملی نقشہ تھا۔ رہنے کا مکان ایک حجرہ تھا جس میں کچی دیوار اور کھجور کے پتوں اور اونٹ کے بالوں کی چھت تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ آپ کا کپڑا کبھی تہہ کر کے نہیں رکھا جاتا تھا یعنی جو بدن مبارک پر کپڑا ہوتا تھا اس کے سوا کوئی اور کپڑا ہی نہیں ہوتا تھا جو تہہ کیا جاتا۔ ایک دفعہ ایک سائل خدمت اقدس میں آیا اور عرض کی کہ سخت بھوکا ہوں، آپ ﷺ نے ازواج مطہرات کے پاس کہلا بھیجا کہ کچھ کھانے کو ہو تو بھیج دیں۔ ہر جگہ سے یہی جواب آیا کہ "گھر میں پانی کے سوا کچھ نہیں ہے۔" سنہ 9 ہجری میں جب اسلامی حکومت یمن سے شام تک پھیلی ہوئی تھی، آپ ﷺ کے توشہ خانے کی مالیت یہ تھی: جسم مبارک پر ایک تہبند، ایک کھردری چارپائی، سرھانے ایک تکیہ جس میں خرمے کی چھال بھری ہوئی تھی، ایک طرف تھوڑے سے جو، کھونٹی میں پانی کا مشکیزہ اور بس!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ایثار کی تعلیم دی تو ساتھ ہی ان کے سامنے اپنا نمونہ پیش کیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی محبت معلوم ہے، مگر جب انہوں نے اپنی عسرت اور تنگ دستی کی وجہ سے ایک خادمہ کی خواہش ظاہر کی تو کاشانہ نبوت سے جواب ملا "اے فاطمہ! اب تک صفہ کے غریب کا انتظام نہیں ہوا ہے۔" ایک دفعہ آپ ﷺ کے پاس چادر نہ تھی۔ ایک صحابیہؓ نے لا کر پیش کی۔ اس وقت ایک صاحب نے کہا کیسی اچھی چادر ہے، آپ ﷺ نے فوراً اتار کر ان کی نذر کر دی۔ ایک صحابیؓ کے گھر کوئی تقریب تھی مگر کوئی سامان نہ تھا۔ ان سے فرمایا: عائشہؓ کے پاس جا کر آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ۔ وہ گئے اور جو لے کر آئے حالانکہ آپ ﷺ کے گھر میں اس آٹے کے سوا رات کے کھانے تک کو کچھ نہ تھا۔

خدا پر اعتماد، توکل اور بھروسے کی شان دیکھنا ہو تو محمد رسول اللہ ﷺ میں دیکھئے۔

حکم الٰہی تھا کہ ''جس طرح اولوالعزم پیغمبروں نے صبر و استقلال دکھایا آپ ﷺ بھی دکھائیں''۔ آپ ﷺ نے بھی وہی کر کے دکھایا۔ پھر ایک ایسی جاہل اور ان پڑھ قوم میں پیدا ہوئے تھے جو اپنے عقیدوں کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سن سکتی تھی اور اس کیلئے مرنے مارنے پر تیار ہو جاتی تھی۔ مگر آپ ﷺ نے اس کی کبھی پرواہ نہ کی اور اپنے فرض کو پورا کرتے رہے، قریش نے آپ ﷺ کو کیسی کیسی تکلیفیں دیں مگر صبر و استقلال کا دامن آپ ﷺ کے ہاتھ سے کبھی نہ چھوٹا، ہجرت کے وقت غار ثور میں پناہ لیتے ہیں، کفار آپ ﷺ کا پیچھا کرتے ہوئے غار کے منہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ بے یار و مددگار، نہتے محمد ﷺ اور مسلح قریش کے درمیان چند گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ گھبرا اُٹھتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم دو ہی ہیں!! لیکن ایک تسکین بھری آواز آتی ہے۔ ابوبکر! ہم دو نہیں ''گھبراؤ نہیں، ہمارا خدا ہمارے ساتھ ہے۔ حضور ﷺ کے مدینہ پہنچنے کے بعد چونکہ یہود، منافقین اور قریش کی ریشہ دوانیاں و غارت گری حد سے بڑھ چکیں تھیں اس لیے لوگ حضور ﷺ کے مسکن کی رات کو حفاظت کرتے۔ لیکن جب یہ آیت: (خدا تجھ کو لوگوں سے بچائے گا) نازل ہوئی تو اس وقت خیمہ سے سر باہر نکال کر پہرے کے سپاہیوں سے فرمایا'' لوگو! واپس جاؤ مجھے چھوڑ دو کہ میری حفاظت کی ذمہ داری خود خدا نے لے لی ہے،'' غزوہ اُحد سے واپسی میں آپ ﷺ ایک درخت کے نیچے آرام فرماتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ اِدھر اُدھر ہٹ گئے ہیں۔ ایک بدو تلوار کھینچ کر سامنے آجاتا ہے۔ آپ ﷺ بیدار ہوتے ہیں۔ موقع کی نزاکت قابل غور ہے، بدو پوچھتا ہے: ''بتاؤ! اے محمد ﷺ! اب کون تم کو میرے ہاتھ سے بچا سکتا ہے؟ اطمینان اور تسکین سے بھری ہوئی آواز آئی کہ ''**اللّٰہ**'' اس پُراثر جواب سے دشمن متاثر ہو جاتا ہے۔ اور تلوار نیام میں پہنچ جاتی ہے۔ عفو و درگزر سے کام لینا اور دشمنوں سے پیار کرنا گویا صرف حضور ﷺ کا ہی حصہ تھا۔ چنانچہ ابوسفیان، جو برابر سات سال تک آپ ﷺ کے خلاف فوجیں لاتے رہے، بار ہا آپ ﷺ کے قتل کا فیصلہ کیا، ہر قدم پر اسلام کے سخت ترین دشمن ثابت ہوئے، لیکن فتح مکہ سے پہلے جب حضرت عباسؓ کے ساتھ وہ آپ ﷺ کے سامنے آتے ہیں تو گوان کا

ہر جرم ان کے قتل کا طالب ہے مگر رحمت عالم ﷺ انتقام کے جذبے سے بالاتر ہیں پھر حضور ﷺ نہ صرف انکو معاف فرماتے ہیں بلکہ یہ بھی فرماتے ہیں: ''جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اس کو بھی امن ہے۔

ہندہ (ابوسفیانؓ کی بیوی) جو اُحد کے معرکے میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ گا گا کر قریش کے سپاہیوں کا دل بڑھاتی تھی، جس نے حضور ﷺ کے محبوب چچا حضرت حمزہ کا کلیجہ چبایا تھا، وہ فتح مکہ کے دن نقاب میں سامنے آتی ہے اور یہاں بھی گستاخی سے باز نہیں آتی، لیکن حضور ﷺ پھر بھی کچھ تعرض نہیں فرماتے بلکہ یہ بھی نہیں پوچھتے کہ تو نے ایسا کیوں کیا! چنانچہ عفو عام کی اس مثال کو دیکھ کر وہ پکار اٹھتی ہے۔''اے محمد ﷺ! آج تک تمہارے خیمے سے زیادہ کسی خیمے سے مجھے نفرت نہ تھی لیکن آج آپکے خیمے سے زیادہ کسی کا خیمہ مجھے محبوب نہیں ہے۔ اسی طرح ہبار بن الاسود وہ شخص تھا جو ایک حیثیت سے آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا قاتل تھا اور کئی شرارتوں کا مرتکب ہو چکا تھا۔ مکے کی فتح کے موقع پر گرفتار کیا جاتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ بھاگ کر ایران چلا جائے لیکن پھر کچھ سوچ کر سیدھا در دولت پر حاضر ہوتا ہے اور کہتا ہے:''یا رسول اللہ ﷺ میں بھاگ کر ایران چلا جانا چاہتا ہوں لیکن مجھے حضور کا رحم و کرم اور عفو و حلم یاد آتا ہے۔ میں حاضر ہوں۔ میرے جرائم کی جو اطلاعیں آپ ﷺ کو ملی ہیں۔ وہ سب درست ہیں۔'' اتنا سنتے ہی آپ ﷺ کی رحمت کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اور دوست و دشمن کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔

غرض، تمام دنیا میں فخر صرف اسلام کے پیغمبروں کو حاصل ہے کہ وہ تعلیم اور اصول کے ساتھ ساتھ اپنے عمل اور اپنی مثال کو پیش کرتا ہے۔ آخری حج کے موقع پر جب کہ شمع نبوت کے گرد ایک لاکھ پروانوں کا ہجوم تھا، انسانوں کو خدا کا آخری پیغام سنایا جاتا ہے۔ عرب کے باطل رسوم اور نہ ختم ہونے والی لڑائیوں کا سلسلہ توڑا جاتا ہے۔ مگر تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنی عملی مثال بھی ہر قدم پر پیش کی جاتی ہے:

''آج عرب کے تمام انتقامی خون باطل کر دیے گئے یعنی تم سب ایک دوسرے کے

قاتلوں کو معاف کر دو ۔اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون اپنے بھتیجے، ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون معاف کرتا ہوں ۔ جاہلیت کے تمام سودی لین دین اور کاروبار آج باطل کیے جاتے ہیں ۔اور سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کا سودی بیوپار توڑتا ہوں ۔''

بہرحال حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک اور شام سے لے کر ہندوستان تک تاریخ انسانی کی مصلحانہ زندگی کا جائزہ لیا جائے لیکن ایسی عملی ہدایتوں اور کامل مثالوں کا کوئی نمونہ نظر نہیں آ سکتا ۔

عید مبارک

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ محمد یعقوب صاحب

اور ادارہ فلاحِ آدمیت کی طرف سے تمام قارئین کرام کو

عیدالفطر کی مبارک ہو۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ماہِ رمضان میں صیام وقیام کا بہترین بدل عطا فرمائے اور عید کی حقیقی مسرتیں نصیب فرمائے۔ آمین

(ادارہ)

دعوتِ اسلام میں 'اعلیٰ کردار' کے اثرات

(پروفیسر محمد اکرم ورك)

دعوت وتبلیغ کا طریقہ کار خواہ کتنا عمدہ ہو،اس وقت تک بے کار اور غیر مؤثر ہے جب تک اس کو مبلغ و داعی کی بلندیٔ کردار، اعلیٰ ظرفی اور اخلاقی قوت کا تحفظ حاصل نہ ہو۔انسانی فطرت ہے کہ مدعو پہلے داعی کا کردار اور اس کی شخصیت کا مشاہدہ کرتا ہے۔اگر داعی کی شخصیت اور کردار داغدار ہے تو دعوت وتبلیغ میں اثر پیدا ہی نہیں ہوسکتا اور اگر داعی کی شخصیت اوصافِ حمیدہ کی حامل ہو اور کردار کی پاکیزگی کا پیکر ہو تو دعوت میں خود بخود تاثیر و مقناطیسی قوت پیدا ہوتی ہے۔

مخاطب کی تعمیرِ سیرت اور تشکیلِ ذات کیلئے سب سے اعلیٰ نمونہ خود مبلغ و داعی کا ذاتی کردار اور اخلاق ہے۔جس چیز کی وہ دعوت دے رہا ہے، کیا وہ خود بھی اس پر عمل پیرا ہے؟ کیا اس کے قول وفعل میں تضاد تو نہیں؟ کیا وہ خود بھی اس دعوت کے رنگ میں رنگا ہوا ہے ؟ یہ وہ چیزیں ہیں جن کو مخاطب اور مدعو سب سے پہلے دیکھتا ہے۔اس لئے ضروری ہے کہ داعی کی سیرت ایسی پاکیزہ اور جاذبِ نظر ہو کہ لوگ خود بخود اس کی طرف کھنچے چلے آئیں۔ دراصل داعی کا ذاتی کردار مدعو کے ذہنی روّیوں کو تبدیل کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔صحابہ کرامؓ کی کامیاب دعوتی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کی دعوتی کامیابیوں کے پیچھے ان کی عظیم شخصیات، بلند کردار اور اخلاقِ کریمانہ کی مضبوط و مستحکم فصیل کھڑی تھی۔صحابہ کرامؓ کی زندگی سب لوگوں کیلئے کھلی کتاب کی طرح تھی، جس کی تحریر کا ہر حرف پاکیزہ، روشن، اور نمایاں تھا۔ ہر شخص صحابہ کرامؓ کے بے داغ اخلاق و کردار، امانت و دیانت اور اعلیٰ ظرفی کا معترف تھا، گویا صحابہ کرامؓ انسانی کردار کا اعلیٰ ترین نمونہ تھے۔انہوں نے جس دعوت کی طرف لوگوں کو بلایا پہلے اس پر عمل کرکے دکھایا ایک بار حضرت صفوانؓ بن اُمیہ ایک بڑے برتن میں کھانا لائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ کے سامنے رکھ دیا۔انہوں نے فقیروں اور غلاموں کو بلایا اور سب کو اپنے ساتھ کھانا کھلانے کے بعد

فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر لعنت کرے جن کو غلاموں کے ساتھ کھانا کھانے میں عار محسوس ہوتی ہے۔''

ایک دفعہ حضرت ابوذر غفاریؓ کی خدمت میں کسی نے دو چادریں پیش کیں۔انہوں نے ایک کو اپنے لئے رکھ لی اور دوسری اپنے غلام کو دے دی۔گھر سے نکلے تو لوگوں نے کہا اگر آپ دونوں چادریں خود استعمال کرتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔فرمایا: سچ ہے!لیکن میں نے رسول اللہﷺ سے سنا ہے:

''جو تم خود کھاتے اور پہنتے ہو،وہی اپنے غلاموں کو بھی کھلاؤ اور پہناؤ۔''

عرب معاشرے میں غلاموں کے بارے میں جو نفرت پائی جاتی تھی،صحابہ کرامؓ نے اپنے عمل سے اس کی سختی سے بیخ کنی کی اور غلاموں کو معاشرہ میں باعزت مقام دلوایا۔صحابہ کرامؓ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ ان کا کردار دوسرے لوگوں کیلئے حجت اور دلیل ہے،اس لئے وہ غیر شرعی امور کے قریب بھی نہیں جاتے تھے، بلکہ بعض صحابہ تو ان امور میں بھی رسول اللہﷺ کی اتباع کرنا ضروری خیال کرتے تھے جن میں ان کو مکلف نہیں بنایا گیا تھا۔

عبداللہ بن قیس بن مخرمہؓ ایک دفعہ بنی عمرو بن عوف میں نوافل کی ادائیگی کے بعد اپنے خچر پر سوار ہو کر واپس لوٹ رہے تھے کہ راستے میں عبداللہ بن عمرؓ سے ملاقات ہوگئی جو پیدل اسی طرف جا رہے تھے۔انہیں پیدل دیکھ کر وہ خچر سے نیچے اُتر آئے اور کہنے لگے: چچا جان! آپ سوار ہو جایئے۔تو انہوں نے جواب دیا: اے بھتیجے! اگر میں سوار ہونا چاہتا تو میرے پاس بھی سواری موجود تھی، لیکن میں نے رسول اللہﷺ کو اس مسجد کی طرف نماز کیلئے پیدل ہی جاتے دیکھا،تو مجھے اسی طرح پیدل جانا پسند ہے جیسا کہ میں نے رسول اللہﷺ کو پیدل جاتے دیکھا ہے۔چنانچہ پھر وہ پیدل ہی مسجد کی طرف روانہ ہوگئے۔صحابہ کرامؓ کے اس جذبۂ اطاعت سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شرعی امور میں ان کی فرمانبرداری کا عالم کیا ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ ایک سفر میں تھے،اسی حالت میں اپنے بھائی کے انتقال کی خبر سنی، پہلے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا،پھر راستے سے ہٹ کر دو رکعت نماز پڑھی،

نماز سے فارغ ہو کر اونٹ پر سوار ہوئے اور قرآن کی آیت پڑھی:

ترجمہ: ''صبر اور نماز سے مدد طلب کرو، بے شک یہ بھاری ہے سوائے ان لوگوں کے جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔'' (البقرہ۲:۴۵)

رسول اللہ ﷺ نے شوہر کے علاوہ دوسرے عزیزوں کی وفات پر سوگ کیلئے صرف تین دن مقرر فرمائے ہیں۔ صحابیاتؓ نے اس حکمِ رسول ﷺ پر بڑی شدت سے عمل کیا۔ زینبؓ بنت جحش کے بھائی کا انتقال ہوا تو چوتھے دن کچھ عورتیں ملنے آئیں، انہوں نے ان کے سامنے خوشبو لگائی اور فرمایا: "مجھے خوشبو کی ضرورت نہ تھی لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کسی عورت کیلئے، جو اللہ اور روزِ قیامت پر یقین رکھتی ہے، جائز نہیں کہ تین دن سے زیادہ سوگ منائے، سوائے شوہر کے، کہ اس پر چار ماہ اور دس دن کا سوگ ہے۔" اسی طرح حضرت اُمِ حبیبہؓ کے والد ابو سفیان انتقال فرما گئے تو انہوں نے تین روز کے بعد تیل لگایا اور خوشبو لگائی اور فرمایا: مجھے خوشبو کی ضرورت نہ تھی مگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

ترجمہ: ''کسی عورت کیلئے جائز نہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے کہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے، مگر اپنے خاوند کا، جس کا سوگ چار ماہ دس دن ہے۔''

حضرت صدیق اکبرؓ کے ایک غلام نے انکو کھانے کی کوئی چیز لا کر دی، جب آپؓ کھا چکے تو غلام نے پوچھا: آپ جانتے ہیں کہ وہ کیا شئے تھی؟ پوچھا کیا تھی؟ اس نے کہا کہ میں جاہلیت میں کہانت کا کام کرتا تھا۔ یہ شئے اسی کا معاوضہ تھی، حضرت صدیق اکبرؓ نے سنا تو فوراً قے کر دی اور پیٹ میں جو کچھ تھا وہ نکال باہر پھینکا۔ ان روایات سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کا کردار کتنا جاندار تھا اور دینی معاملات میں شرعی امور کا کس قدر خیال رکھنے والے تھے۔ قول و فعل کی اسی مطابقت کی وجہ سے لوگ ان کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔

کردار کی تاثیر

شطا، جو مصر کا ایک بہت بڑا رئیس تھا، مسلمانوں کی اخلاقی حالت کا چرچا سن کر اسلام کا

گرویدہ ہوگیا اور دو ہزار آدمیوں کے ساتھ اسلام قبول کرلیا۔ تاریخ مقریزی میں ہے:

ترجمہ: ''شطا دو ہزار آدمیوں کے ساتھ نکلا اور مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہوگیا۔ وہ پہلے بھی نیکی کے کاموں سے محبت رکھتا تھا اور مسلمانوں کے محاسن اخلاق کو سن کر ان کی طرف مائل تھا۔''

صحابہ کرامؓ اسلام کی چلتی پھرتی تصویر تھے اور انہوں نے اسلام کو اپنی ذات پر نافذ کر کے اسلامی تعلیمات کے اندر ایک ایسی کشش پیدا کر دی تھی کہ لوگ اسلام کے دامن میں پناہ لینے میں ہی اپنی عافیت سمجھتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کے محاسن اخلاق میں مساوات ایک ایسا وصف تھا جو خود قلوب و اذہان کو اپنی طرف مائل کرتا تھا، بالخصوص جب اسلام کے اصول مساوات اور مسلمانوں کی مساویانہ طرزِ معاشرت کا ایرانیوں کی ناہموار طرزِ معاشرت سے مقابلہ ہوتا تھا تو یہ وصف خصوصیت کے ساتھ نمایاں ہو جاتا تھا اور حق پسند لوگ خود بخود اسلام کی طرف مائل ہو جاتے تھے۔ ایک شخص نے رستم سے دورانِ گفتگو اسلام کے جو محاسن بتائے، ان میں سے ایک یہ تھا:

''بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی غلامی میں داخل کرنا اسلام کا اصلی مقصد ہے۔

لوگ صحابہ کرامؓ کی سیرت و کردار سے متاثر ہو کر بھی مائل بہ اسلام ہوتے تھے۔

صحابہ کرامؓ کو اپنے علم اور کردار کی بناء پر معاشرے میں تقدس کا جو درجہ حاصل تھا، اس سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے انہوں نے ہر جگہ اسلام کے پیغام کو عام کیا اور عہدِ صحابہ میں ہر طرف اسلام کا چرچا ہونے لگا اور اسلام کو جو ترقی اور عروج حاصل ہوا، اس کا بنیادی سبب صحابہ ؓ کی حق پسندی اور بلند کرداری کو قرار دیا جاسکتا ہے۔

ظلم

(عبدالرشید ساھی)

ظلم کا تعلق مظلوم کے احساس سے ہے کسی ظالم کا کوئی عمل اس وقت تک ظلم نہیں کہلائے گا جب تک مظلوم اس عمل سے پریشان نہ ہو۔دنیا میں ہونے والے بیشتر مظالم مظلوم کی پسند کا حصہ بنا دیے جاتے ہیں بعض اوقات تو مظلوم اس ظلم کو برداشت کرنا اپنے ایمان کا حصہ سمجھ لیتا ہے۔ظالم کا سب سے بڑا ظلم یہی ہے کہ وہ مظلوم کو ظلم سہنے، ظلم میں رہنے کی تعلیم دے چکا ہوتا ہے امیر بادشاہ غریب رعایا کو تسلیم ،صبر اور رضا کی تعلیم دے کر اپنے مال کو محفوظ کرتا ہے غریب کو صبر کی تلقین کرنے والا خود امیر رہنا پسند کرتا ہے۔ظلم ہوتا رہتا ہے مگر کسی کو خبر تو کیا، احساس تک نہیں ہوتا یہ سب کیا ہے اور کیوں ہے یہ صرف اور صرف ایمان کی کمزوری اور حرام خوری کی وجہ سے ہو رہا ہے حلال اور طیب رزق کھانے والا اور خدائی حدود کے اندر رہ کر زندگی بسر کرنے والا انسان سچائی اور حق سے کبھی راہ فرار اختیار نہیں کرتا علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

ظلم کیوں برداشت ہو رہا ہے زندگی کے سارے شعبوں میں زیادتی ہو رہی ہے لیکن کوئی آواز نہیں اٹھاتا ،کھانے پینے کی اشیا تو دور کی بات ہے انسانی جان بچانے والی ادویات میں ملاوٹ ہو رہی ہے ،مویشیوں کے استعمال میں آنے والے بھوسہ اور چارہ میں ہو رہی ہے تمام سرکاری وغیر سرکاری اداروں میں بد دیانتی اور رشوت کا بازار گرم ہے اور انتہا تو یہ ہے کہ عدل فراہم کرنے والے سب سے بڑے فورم عدلیہ میں لوگ نسل در نسل خوار ہو رہے ہیں۔پاکستان تو لا الہ الااللہ کے نام پر حاصل کیا گیا۔اس آزادی کے عمل میں جو انسانی جانوں کا ضیاع ہوا اور

جو جائیدادوں کی بربادی ہوئی اور جو عصمتیں لٹیں ان کے اعداد وشمار اکٹھے نہیں کئے جا سکے مگر آزادی کا رزلٹ آپ کے سامنے ہے یہ سب کیوں ہے۔علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

تیرا تن روح سے ناآشنا ہے
عجب کیا آہ تیری نارسا ہے
تنِ بے روح سے بیزار ہے حق
خدائے زندہ زندوں کا خدا ہے

انسان غور کر، تنہائی میں اپنے من میں جھانک کر دیکھ اگر تو انسان ہے اور پھر مسلمان بھی ہے تو پھر ایسا کیوں ہو رہا ہے تیری عقل کہاں چلی گئی ہے کیا تجھے محشر کا خوف نہیں رہا۔آخر ایک روز حساب کتاب ہونا ہے کیوں اتنی بے خوفی اور ہٹ دھرمی سے زندگی گزار رہا ہے۔یہ جو آسمانی آفات نازل ہوتی ہیں جیسے آج کل کرونا کی وباء پھیلی ہوئی ہے یہ سب ہماری بداعمالیوں کا رزلٹ ہے حکومتیں اس وباء کو روکنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہی ہیں مگر وباء کا محرک ہے جو اصل سبب ہے اس پر کوئی غور نہیں ہو رہا۔

حکمرانو! ہوش کے ناخن لو قتل کوئی چھوٹا جرم ہے؟ دین تو ایک قتل کو ساری انسانیت کا قتل قرار دیتا ہے اور تم تو انسانی جانیں ایسے مروا رہے ہو کہ اس بے دردی سے درندوں اور جانوروں کو بھی نہیں مارا جاتا یاد رکھو ان بداعمالیوں کی سزا تمہیں یہاں بھی ملے گی اور آخرت میں بھی۔علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

آپ غور کریں حکمرانوں اور امیروں کے بچے یورپ کے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں اور آفیسر بنتے ہیں غریبوں کے بچے درس نظامی کرتے ہیں اور مسجدوں کے حجروں میں زندگی گزار دیتے ہیں ظالم اپنے ظلم کو برقرار رکھنے کے لئے بڑے بڑے روپ دھارتا

ہے کبھی مسیحائی کا روپ کبھی رہنمائی کا بہروپ، کبھی آشنائی کا انداز، کبھی محبت کا طلسم ـــــ

ظلم بہر حال جاری رہتا ہے آج مسیحائی کی وباء عام ہے ڈاکٹر کی نظر مرض پر نہیں مریض کی جیب پر ہوتی ہے مسکرا کر اتنی بات بتانے کیلئے بھی کہ آپ کو کوئی بیماری نہیں مشورہ فیس وصول کر لی جاتی ہے ۔علم کا ظلم سب سے زیادہ ہے عذاب ہے وہ علم جو انسان کو سہولت نہ دے سکے تعلیم حاصل ہوتی ہے اور ضرورت پوری نہیں ہوتی تعلیم ہے تو روزگار نہیں ۔علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

اللہ سے کرے دور تو تعلیم بھی فتنہ
املاک بھی ،اولاد بھی ، جاگیر بھی فتنہ
ناحق کے لئے اٹھے تو شمشیر بھی فتنہ
شمشیر ہی کیا نعرہ تکبیر بھی فتنہ

سب سے بڑا ظلم کسی کی محنت کو رائیگاں کرنا ہے جب تک مظلوم کا مزاج نہیں بدلے گا ظالم کا ظلم یوں ہی جاری رہے گا جب تک مظلوم ظلم کو مقدر جانے گا اور ظالم اسے اپنی دانائی ، ظلم جاری وساری رہے گا ظلم کو ختم کرنا ہے تو حق پر ڈٹ جانا سیکھو۔

خودپسندی اور اس کا علاج

(حکیم محمد اسلم شاہین)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین چیزیں ہلاکت کا باعث ہوتی ہیں بخل، لالچ یعنی حرص، غرور و خودپسندی اور فرمایا اگر تم گناہ سے بچے بھی، تو ایک چیز میں مبتلا ہونے کا خدشہ تب بھی لاحق ہوتا ہے جو فی نفس گناہ سے بدتر ہے اور اس کا نام خودپسندی یا خودنمائی ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہلاکت دو چیزوں میں مضمر ہے، خودپسندی اور ناامیدی۔ خودپسندی وہ بلا ہے کہ اس سے بہت سی آفات جنم لیتی ہیں اور اس میں مبتلا شخص کی عادت ہوتی ہے کہ اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر سمجھتا ہے دوسرا یہ کہ اس کو اپنے گناہ یاد ہی نہیں ہوتے اور اگر کوئی یاد آ بھی جائے تو اس کے علاج کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتا اور یہی سمجھتا رہتا ہے کہ بس اس کی تو بخشش ہو چکی ہے، عبادت میں شکر گزاری اسے غیر ضروری سی چیز معلوم ہوتی ہیں اور نہ اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبادات میں جہاں صحیح ہونے کی صورت میں برکات ہیں وہاں غلط ہونے کی صورت میں بڑی آفات بھی ہیں۔ وہ اس بات کا خواہشمند نہیں ہوتا ہے کہ ان سے آگاہی حاصل کی جائے اس طرح خوف الٰہی اس کے دل میں باقی نہیں رہتا اور وہ خود کو اس سے قطعی محفوظ تصور کرنے لگتا ہے کہ اگر کوئی بات اس کی رائے کے خلاف ہو تو خواہ درست ہی ہو وہ اسے سننے کیلئے تیار نہیں ہوتا اور کسی کی نصیحت پر کان نہیں دھرتا اس طرح دوسروں کا کچھ بگڑے یا نہ بگڑے وہ خود ضرور ناقص اور اس کا علم ناتمام رہ جاتا ہے جو جہالت سے بھی بدتر چیز ہے۔

یاد رکھیئے ! جس کو اللہ تعالیٰ کوئی نعمت عطا فرماتا ہے مثلاً نعمت علم یا توفیق عبادت یا اس قسم کی کوئی اور نعمت تو بندے کو چاہئے کہ وہ اس نعمت کا شکر ادا کر کے خائف رہے کہ کہیں یہ نعمت اس کی کسی لغزش کے باعث اس سے چھین نہ لی جائے ایسا شخص خودپسند نہیں ہوسکتا لیکن اگر خائف بھی نہ ہو اور خوش بھی ہو اور اس خیال سے خوش ہو کہ یہ نعمت اس کی اپنی خوبی کی مرہون منت ہے اور اسے

عطا ہونا ہی چاہئے تھی اوراس حقیقت سے غافل ہو بیٹھے کہ یہ نعمت صرف اللہ تعالیٰ کی عنایت کا نتیجہ ہے جس میں اس کا اپنا کوئی دخل نہیں اور یوں اس کے دل میں خوف وہراس باقی نہ رہے تو اس بدصفت کے ساتھ اس کی یہ خوشی خودپسندی کہلائے گی۔

خودپسندی کا علاج:

اگر کوئی شخص دن رات حصول علم میں مصروف اور عبادت میں مشغول رہتا ہے اوراس پر نازاں ہے اور خود ہی کہتا ہے یہ سب کچھ میری قدرت اور قوت کے باعث ہو رہا ہے تو کیا اس کو یہ پتہ بھی ہے کہ یہ قدرت اور اعضاء میں قوت اور ارادہ وعزم جو اس عمل کے ذمہ دار ہیں وہ کہاں سے آئے ہیں اور ان کا لانے والا کون ہے۔بس! یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا انعام خاص ہے اور تیری خودپسندی محض تیری جہالت کی وجہ سے ہے کہ تیرے ہاتھ میں رکھا ہی کیا ہوا ہے!! تجھے اللہ تعالیٰ کے اس فضل وکرم پر شکر ادا کرنا چاہئے ورنہ ایسی مخلوق بھی بے شمار ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے غافل چھوڑ کر بری خواہشات میں مبتلا رہنے دیا اور تجھ پر عنایت خاص اور خصوصی رحمت کرتے ہوئے نیک امور کی سمجھ تجھ میں راسخ کر دی اور اپنے حضور جھکنے کا شرف عطا فرمایا۔

اس طرح اگر تم کہو کہ مجھے توفیق عبادت اس لئے عطا ہوئی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو محبوب رکھتا ہوں تو ہم کہیں گے کہ اس محبت اور دوستی کو پیدا کرنے والا کون تھا؟

اس کے جواب میں اگر پھر تو! یہ کہے کہ میں اللہ عزوجل کی معرفت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا اوراس کے جمال کا مشاہدہ مجھے حاصل ہوا کیونکہ میں نے اسے پہچان لیا۔تو ہم پوچھیں گے کہ اس معرفت اور دیدار جمال کا عطا کرنے والا کون تھا؟ پس جب کبھی کچھ اسی کی طرف سے ہے تو خودپسندی یا تعجب جو کچھ بھی ہو'اسی سے منسوب کیا جائے اور ہر شے اسی کے بھروسہ' عنایت اور کرم پر منحصر ہے، اُسی نے تجھ کو پیدا کیا اور یہ صفات بھی تیرے اندر پیدا کیں قدرت وارادہ سے تجھے سرفراز فرمایا ورنہ درمیان میں تو کیا! اور تیری بساط کیا!

بہر حال جو شخص توحید کو اس کی اصل حقیقت کے رنگ میں پہچان لیتا ہے وہ تو خود پسندی کا شکار ہو ہی نہیں سکتا اور یہ بعض اوقات مثلاً کوئی غریب عاقل اس بات پر تعجب کرنے لگتا ہے کہ یا اللہ عزوجل! جاہل کو تو نے اس قدر مال دے رکھا ہے اور میں اپنی تمام عقل و دانائی کے باوجود اس سے محروم ہوں لیکن یہ عاقل اپنی تمام دانائی کے باوجود اس حقیقت کو بھول جاتا ہے کہ عقل سے بہتر تو کوئی نعمت نہیں اور وہ اسے میسر ہے اور وہ بھی خدا ہی کی دی ہوئی ہے اب اگر یہ دونوں چیزیں عقل اور دولت صرف اسی کو عطا کر دیتے اور دوسروں کو دونوں سے محروم کر دیا جاتا تو اس کو قرینِ عدل نہ کہہ سکتے تھے اور لطف یہ ہے کہ شکایت کرنے والے اسی عاقل سے اگر کہا جائے کہ چلو تم اپنی عقل کا اس کے مال سے تبادلہ کر لو تو شاید وہ اس پر رضامند نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر حسین و جمیل عورت اگر کسی بدصورت اور بدشکل عورت کو زیورات اور اعلیٰ ملبوسات میں بنی ٹھنی اور خوب آراستہ و پیراستہ دیکھے اور کہے کہ یہ اچھی حکمت ہے کہ نعمت تو بدصورتوں کو عطا کی جاتی ہے جسے وہ جچتی بھی نہیں! اور اس قدر بھی جاننے کی زحمت گوارا نہ کرے کہ حسن و جمال جو اسے بخشا گیا ہے اس کے زیورات و ملبوسات سے بدرجہا بہتر ہے اور یہ دونوں چیزیں حسن اور سامان آرائش اگر اس اکیلی کو دے دی جاتیں تو یہ تقسیم عدل سے بعید کہلاتیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے جب بارگاہ خداوندی میں عرض کی کہ کون سی رات ایسی آتی ہے کہ جس میں اولادِ داؤد میں سے کوئی نہ کوئی شخص شام سے صبح تک ساری رات عبادت میں نہ گزار دیتا ہو؟ اور وہ کون سا دن ہے جب کہ میری اولاد میں سے ایک نہ ایک روزہ دار نہ ہوتا ہو فوراً وحی نازل ہوئی کہ اے داؤد علیہ السلام! ان لوگوں کو اعمال کی فکر عطا کرنے والا کون ہے؟ لے ہم ایک لحظہ کے لئے تجھے تمہاری رائے اور صوابدید کے مطابق چھوڑتے ہیں کچھ کر کے دکھاؤ جب انہیں ان کی رائے پر چھوڑ دیا گیا تو ان سے وہ شدید غلطی سرزد ہوئی جس سے عمر بھر حسرت و ندامت میں رہتے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے عرض کیا یا باری تعالیٰ! تو نے جس وقت مجھے مصیبت میں گرفتار کیا میں نے صبر سے اسے برداشت کیا اور بے صبری کو اپنے قریب بھی نہ بھٹکنے دیا،

اسی وقت ایک بگولہ سا اٹھا اور اس سے دس ہزار آوازوں پر مشتمل ایک ندا بر آمد ہوئی کہ وہ صبر آپ میں کہاں سے آگیا تھا؟ اس کا عطا کرنے والا کون تھا؟ حضرت ایوب علیہ السلام فوراً یہ رمز سمجھ گئے اور سر پر خاک ڈال کر عرض کی یا اللہ! وہ تو تیرا ہی فضل وکرم تھا کہ میں برداشت کرنے کے قابل ہو سکا۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ فرمایا کرتے تھے کہ کاش! ہم تنکا ہوتے کاش! ہم مٹی ہوتے یا کچھ بھی نہ ہوتے؟

تو معلوم ہوا جو شخص اس حقیقت سے شناسا ہو جاتا ہے وہ خوف کے باعث کبھی خود پسندی میں گرفتار نہیں ہو سکتا۔

دعائے مغفرت

قلعہ دیدار سنگھ سے بھائی ڈاکٹر عتیق الرحمٰن کی والدہ

گکھڑ سے بھائی عبدالقیوم ہاشمی کے بہنوئی

ملتان سے بزرگ بھائی خالد محمود بخاری کی ہمشیرہ

گوجرانوالہ سے بھائی محمد اقبال کے بہنوئی جو کہ

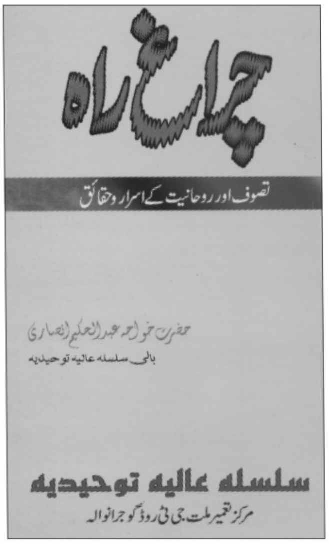
(محمد ریاض آف گوجرانوالہ کے سمدھی بھی تھے)

گوجرانوالہ سے بھائی احمد رضا کے چچا محمد الطاف خان

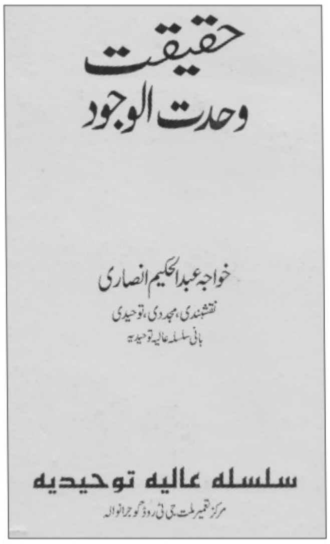
بقضائے الٰہی وفات پا چکے ہیں (اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّـا اِلَيْهِ رَاجِعونَ)

مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

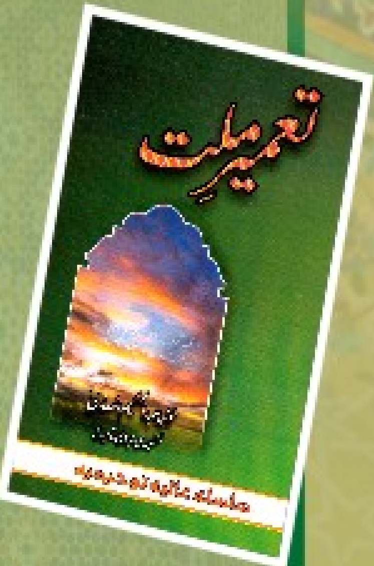


کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔ زوال اُمت میں اُمراء، علماء، صوفیاء کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔ تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

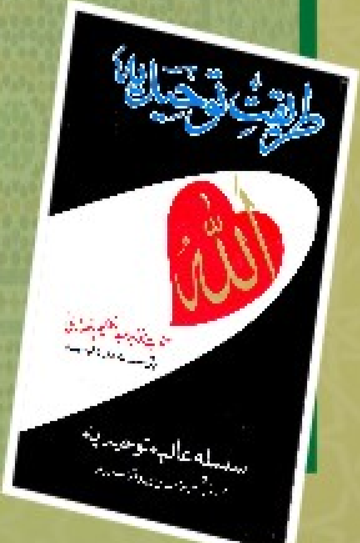


وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔

سلسلہ توحیدیہ کی مطبوعات



قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالمِ روحانی کی تشریح، جنت ودوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

Reg: CPL - 01